دورِ حاضر میں اسلامی معیشت کے نفاذ کے لیے
اکابر کی کاوشوں کا فکری و فقہی منہج

اسلامی معاشیات
بنیادی خاکہ

تحریر
مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ

ترتیب و تدوین
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی

مکتبہ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیہ

وطن عزیز میں اسلامی معیشت کے نفاذ کے لیے
اکابر کی کاوشوں کا فکری و فقہی منہج

اسلامی معاشیات

بنیادی خاکہ

نتیجۂ فکر

مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ

ترتیب و تدوین

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی نور اللہ مرقدہ

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

اُستاذِ حدیث جامعہ علومِ اسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ بینات

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

2011-١٤٣٢

مکتبہ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

Maktaba Bayyenat
Jamia-tul-uloom-il-islamiyyah
Allama Banuri Town Karachi
Pakistan

Tel: +92-21-34913570 34927233 34121152
Fax: +92-21-34916819 34925352
Mail: info@banuri.edu.pk
Web: www.banuri.edu.pk

پیش لفظ

نحمدہ ونصلّی ونسلّم علی رسولہ الکریم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کا لقب دے کر اپنا خلیفہ اور نائب بنایا، کائنات کی ہر چیز، ہر توانائی اور تمام قدرتی وسائل کو اس انسان کے لئے وقف فرمایا کہ وہ ان میں غور وفکر، تحقیق وجستجو اور تجربات سے ان کے فوائد اور خواص کو دریافت کرے اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں رہتے ہوئے ان کو اپنے لئے نفع مند بنائے۔

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ اعلان بھی کردیا کہ زمین پر چلنے والی اور کائنات کے دائرہ میں رہنے والی ہر مخلوق کے رزق اور خوراک کی ذمہ داری میری ہے، گویا رزق، خوراک اور ضروریاتِ انسانی کا حصول ایک ضرورت تو ہے، انسان کا مقصد تخلیق نہیں، لیکن خدا بیزار اور مذہب بیزار اقوام کا یہ نظریہ اور فلسفہ نہیں، بلکہ معیشت اور دنیوی اسباب راحت کا حصول ان کے نزدیک مقصد زندگی ہے۔

غیر مسلم اقوام کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی کچھ شعوری اور کچھ لاشعوری طور پر معیشت کے معاملہ میں انہیں کی ان دیکھی راہوں پر چلنے لگا اور انہیں کے انداز واطوار اور ذوق ومزاج میں اپنی کامیابی کی راہیں سمجھنے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج کا مسلمان دوراہے پر کھڑا ہے، اسے کچھ سمجھ نہیں آتا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟

علمائے امت نے ہر دور میں پیش آمدہ مسائل کا حل شریعت غرہ کی روشنی میں امت

مسلمہ کے سامنے رکھا اور ان کی راہنمائی فرمائی۔

اس تمہید کی تفصیل یہ ہے کہ: تقریباً ۲۵ / مارچ ۱۹۶۹ء کو اکابر علماء حق کا ایک مشترکہ اجتماع ہوا جس میں دیگر اہم مباحث کے علاوہ ملک کی سنگین معاشی صورتحال کی فقہی نوعیت پر بھی بحث وتمحیص ہوئی اور بڑی شدت سے یہ محسوس کیا گیا کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک عزیز کا معاشی نظام، ظلم واستحصال کی چکی بن کر غریبوں کو پیس رہا ہے، دولت کی تقسیم وگردش کے اس غیر متوازن نظام نے معاشرے کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، ایک طبقہ دولت کی بہتات اور ریل پیل میں مست ہے اور دوسری طرف عام طبقہ، زندگی کی بنیادی ضروریات اور وسائل معاش سے بھی محروم ہے۔ اس اجتماع میں یہ طے ہوا کہ اس صورتحال سے نجات کے لئے اسلامی معیشت کے عنوان سے ایک اسلامی خاکہ تیار کیا جائے۔ حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"عرصہ ہوا کہ حضرت مولانا عبد الہادی دین پوری کی دعوت وتحریک پر ایک مختصر اجتماع ہوا تھا، اجتماع کا اساسی مقصد جماعت تنظیم اہل سنت، مجلس ختم نبوت، جمعیت علماء اسلام اور احرار اسلام کے درمیان اتحاد تھا، ان جماعتوں کی مشترکہ مجلس عمل وجود میں آئی تھی، جس کا مقصد اسلامی جماعتوں کا مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنا تھا، یہ اجتماع اس تاریخی دن ہوا جس کی شام کو ایوب خان کے اقتدار کا آفتاب غروب ہوا اور صدر یحیٰی کے مسند اقتدار پر جلوہ افروز ہونے کا اعلان نشر ہوا۔

اس اجتماع میں ایک بات یہ طے ہوئی تھی کہ اسلامی معاشیات پر ایک اسلامی خاکہ تیار کیا جائے، اس کام کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا مفتی ولی حسن صاحب، مولانا مفتی رشید احمد صاحب اور راقم الحروف کے نام تجویز ہوئے۔ راقم الحروف کی دعوت پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں یہ اجتماع طے پایا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی علالت کی بنا پر ان کے دو صاحبزادگان برادرانم مولانا محمد رفیع

صاحب اور مولانا محمد تقی صاحب کو ان کی نیابت کے طور پر شرکت کی دعوت دی گئی، خالص علمی ودینی انداز سے کام شروع ہوا اور ابتدائی خاکہ دس دن میں تیار ہوا، مولانا مفتی محمود صاحب سے جو سابق حسن ظن تھا کہ وہ فقہی بصیرت میں امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں، اس موقع پر اس کا خوب خوب مشاہدہ ہوا"۔ [بینات، ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ]

اس مجلس تحقیق وتدوین کی کارکردگی اور مجلس کی روئیداد کے بارہ میں حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی نور اللہ مرقدہ (جو اس مجلس کی روئیداد کے مرتب بھی ہیں) تحریر فرماتے ہیں:

"گذشتہ سال ماہ مئی (۱۹۶۹ء) میں اسلام کے معاشی نظام کی تدوین وترتیب اور اس پر ایک مستقل کتاب کی تصنیف سے متعلق حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ کی دعوت پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں منعقد ہونے والی دہ روزہ مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی سائیکلوسٹائل شدہ اجمالی رپورٹ اور طے شدہ بنیادی معاشی مسائل پیش کرتے ہیں، جو صرف ملک کے سربرآوردہ علماء کرام اور مفتیان عظام سے استصواب رائے کی غرض سے تیار کی گئی تھی، نہ کہ عام اشاعت کی غرض سے۔

واضح رہے کہ اس دہ روزہ "مجلس تحقیق مسائل حاضرۃ" میں جن حضرات نے دس دن مسلسل شب وروز کام کیا ہے، ان کے نام یہ ہیں:

① حضرت مولانا مفتی محمود صاحب از مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔

② حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی نیابت میں ان کے ہر دو صاحبزادے مولانا محمد رفیع صاحب ومولانا محمد تقی صاحب، یہ دونوں حضرات دن بھر کی تمام کارروائی سے حضرت مفتی صاحب کو آگاہ کیا کرتے تھے، تاکہ آپ اس مجلس کی کارروائی سے باخبر رہیں۔

③ مفتی رشید احمد صاحب از مدرسہ اشرف المدارس ناظم آباد کراچی۔

(۴) مفتی ولی حسن صاحب از مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔

(۵) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ بحیثیت نگران وحکم، تقریباً ہرنشست میں موجود رہتے تھے۔

(۶) اور مجلس کی کارروائی کو ضبط کرنے کی غرض سے خادم بھی موجود رہا۔

(۷) نیز بحیثیت قانونی مشیر ایڈوکیٹ محمد اقبال بھی حسب فرصت موجود رہتے تھے۔

فقہ، افتاء اور قضاء سے متعلق تمام قدیم وجدید اور متداول وغیر متداول کتابوں کی کامل دس دن تک شب وروز، ورق گردانی اور ایک ایک مسئلہ پر گھنٹوں بحث وتحقیق کے بعد اسلامی معاشیات سے متعلق یہ چند بنیادی مسائل متفقہ طور پر طے پائے اور مستند علماء وارباب فتویٰ کے پاس بغرض استصواب رائے بھیجنے کے لئے مرتب کئے گئے کہ ان کی روشنی میں اسلامی نظام پر پیش نظر کتاب مرتب کی جاسکے"۔ (ترجمان اسلام ۲۶ رجون ۱۹۷۰ء)

جیسا کہ مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ اسلامی معیشت کی تدوین وترتیب کے سلسلے میں حضرت بنوری رحمہ اللہ کی دعوت پر دس روزہ مجلس کا انعقاد آپ کے ادارے میں ہوا، اور حضرت بنوری رحمہ اللہ نے اس مجلس کی ضرورت واہمیت اور کارکردگی پر مشتمل "ماہنامہ بینات" میں ایک مفصل اداریہ تحریر فرمایا (جو اس کتاب میں مقدمے کے طور پر شامل ہے) حضرت بنوری رحمہ اللہ اس اداریے کے آخر میں اس کتاب کی تحریر وتدوین کے متعلق فرماتے ہیں:

"اس شدید وقتی تقاضے کے پیش نظر مدرسہ عربیہ اسلامیہ نے چاہا کہ علمی انداز سے اسلامی معاشیات پر ایک مفصل کتاب مدون ہوجائے جو قرآن واحادیث وفقہاء امت کے ارشادات اور تاریخ اسلام کی روشنی میں مرتب ہو، جس میں نہ خدا فراموش سوشلزم یا کمیونزم کے جراثیم ہوں، نہ دین فراموش سنگدل سرمایہ دارانہ ذہنیت کارفرما ہو، اس لئے ضرورت تھی کہ چند مستند

علماء ایک جگہ بیٹھ کر اس کام کا خاکہ تیار کریں، چنانچہ پہلے مرحلہ پر جن حضرات کو جمع کیا گیا، راقم الحروف کے علاوہ ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب، مولانا مفتی رشید احمد صاحب، مولانا مفتی محمود صاحب (ملتان)، مولانا محمد رفیع صاحب مدرس دارالعلوم کراچی، مولانا محمد تقی صاحب مدرس دارالعلوم ومدیر البلاغ، جناب محمد اقبال صاحب ایڈوکیٹ۔

اس اجتماع میں مزارعت، احیاء موات اور زمینی مسائل سے متعلق ایک مختصر خاکہ تیار کیا گیا تھا، جس کی حیثیت بھی صرف استفتاء ہی کی ہوسکتی ہے، نہ اس کی کتابی تدوین وترتیب تھی، نہ وہ آخری رائے تھی، بلکہ ناتمام خاکہ تھا جو سائیکلوسٹائل کر کے شائع کیا گیا تھا، تاکہ اسے علماء کے پاس بھیجا جاسکے اور اس کی اشاعت کی غرض بھی یہی تھی، لیکن خود غرض حضرات نے اس کو آخری فیصلہ سمجھا، اس سے اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگے، یہ جلد بازی ہے، دوسرے مرحلے پر شرکاء مجلس کچھ کم ہوگئے اور کتاب کے مختلف ابواب تجویز کر کے کام تقسیم کردیا گیا اور حسب ذیل حضرات اس پر کام کررہے ہیں:

(۱) مولانا مفتی ولی حسن صاحب، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔

(۲) مولانا محمد ادریس صاحب، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔

(۳) مولانا مفتی رشید احمد صاحب، اشرف المدارس کراچی۔

(۴) مولانا محمد تقی صاحب، دارالعلوم کراچی۔

یہ کام جاری ہے، تکمیل تک نہیں پہنچا، حق تعالیٰ جلد اس کی تکمیل کرائے، پھر بھی یہ آخری رائے نہ ہوگی، علماء کو تبصرہ وتنقید کا موقع دیا جائے گا، ہوسکتا ہے کہ جرح وتعدیل کے بعد اس کو آخری شکل دی جاسکے، ضرورت تھی

کہ اس صورت حال کو واضح کردیا جائے، تاکہ بعض معاصر رسالوں میں جو ابتدائی خاکہ شائع ہوگیا ہے، اس کو علماء کی آخری رائے نہ سمجھا جائے۔ واللہ ولی التوفیق''۔ [بینات جمادی الاولیٰ، اگست ۱۹۶۹ء]

یہ ان بزرگوں کی کسر نفسی اور تواضع تھی کہ یہ حضرات علماء کے سرخیل اور سب کے منتخب ومعتمد ہونے کے باوجود اپنی اجتماعی واتفاقی کوشش کو آخری اور حتمی رائے قرار نہیں دے رہے، گوکہ اس کی بجا طور پر گنجائش بھی ہے، تاہم ان کی اس تحریر کے بارے میں یہ کہنا قرین حق وصواب معلوم ہوتا ہے کہ اسے علماء کے درمیان وہی حیثیت حاصل ہے جو ملکی آئین میں ۱۹۷۳ء کے آئین کو حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس تحریر کی ترتیب وتدوین اور اصلاح وتصویب پر مجلس میں شریک تمام علماء کرام کا اتفاق تھا، اسی بنا پر ان سب کے اس تحریر پر دستخط ہوئے ہیں۔ آج بھی اگر علماء حق، اسلامی معیشت کے اس فکری وفقہی منہج پر متفق ہونا چاہیں تو کسی مخلص کے لئے کوئی مانع نہیں ہوسکتا۔ **فبھداھم فلنقتد**

اس کتاب میں صرف معیشت کے عنوان سے مضامین جمع کئے گئے ہیں جو مجلس کی روئیداد کے مرتب حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ کے فیض قلم سے نکلے اور ''ماہنامہ بینات'' میں سات قسطوں میں شائع ہوئے تھے، ان قسط وار مضامین کو پہلی مرتبہ کتابی شکل میں منظر عام پر لایا جارہا ہے۔ اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کے اہم مقاصد یہ ہیں:

① اس کتاب کا اولین مقصد یہ ہے کہ اکابر کی یہ علمی وتحقیقی امانت جواب تک صرف ماہنامہ بینات کی فائلوں میں مخفی تھی، اہل علم واہل تحقیق تک پہنچ جائے۔

② اسلامی معیشت کے حوالہ سے ماخذ کے طور پر اس سے استفادہ کیا جائے، کیونکہ اس میں اسلامی معیشت کے راہ رووں کے لئے بیش بہا، رہنما اصول موجود ہیں۔

③ پیش نظر کتاب میں اسلامی معیشت کے موضوع پر اکابر کے فکری وفقہی منہج کو خوب واضح اور مدلل طور پر بیان کیا گیا، چنانچہ اس فکری وفقہی منہج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت بنوری رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

''معاشی علوم ہوں، یا معیشت کے نکات، اقتصادی نظام ہو یا مال ودولت کمانے کا نظم، قرآن کریم کا دامن اس سے متعلق ہدایات سے لبریز ہے۔ یہ حقائق سب صحیح، سب درست ہیں، کسی کو مجال انکار نہیں، لیکن اسلام کو موجودہ معاشی تحریکوں پر منطبق کرنا، اس کی سراسر مادی تعبیریں کرنا اور کھینچ تان کر نصوص سے وہی کچھ منوانا جو آج کے معاشیین کہتے ہیں، بدترین غلطی اور مقام نبوت سے بے خبری کی دلیل ہے۔ وحی الٰہی اور نبوت ورسالت کا حقیقی منصب، ان حقائق الٰہیہ کو بیان کرنا ہے، جن کے ادراک سے انسانی عقول قاصر ہیں، جہاں تک نہ عقل افلاطون پہنچی ہے نہ ارسطو کا فلسفہ، نہ یونان کے حکماء پہنچے ہیں نہ روما کے قانون دان، نہ مارکس کو اس کی ہوا لگی ہے نہ لینن کو''۔

[بینات جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ]

④ عوام الناس کو معلوم ہوجائے کہ علمائے کرام ہر دور میں اور ہر معاملے میں امت مسلمہ کی رہبری وراہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے آئے ہیں، تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ علماء کرام اسلامی معیشت کا خاکہ پیش نہیں کرتے، یا مسلمان تاجروں کو حرام کا متبادل نہیں بتاتے، یا مغربی معیشت کی دلدل سے نکالنے کے لئے مسلمان تاجروں کی دست گیری نہیں فرماتے۔

⑤ اس کتاب کو ملک کے اکابر علماء کرام اور مفتیان عظام کی اجتماعی واتفاقی کاوش کا درجہ حاصل ہے، جیسا کہ اوپر گزرا کہ اہل حق کی تمام جماعتوں کے اکابر کے اجتماع میں منتخب اکابر کی ایک جماعت تشکیل پائی، جس میں حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مفتی محمود صاحب، حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب، حضرت مفتی رشید احمد صاحب اور محدث العصر حضرت بنوری۔ رحمہم اللہ۔ بطور حکم سربراہ تھے، آگے چل کر اس جماعت میں کمی بیشی بھی ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ اس کتاب سے جہاں اسلامی معیشت کے بنیادی اصول وقواعد کی رہنمائی ملتی ہے، سرمایہ داروں کی بجائے اسلامی احکام کی رعایت نظر آتی ہے، اشتراکی جراثیم اور سرمایہ

دارانہ ذہنیت سے پاکیزگی دکھائی دیتی ہے اور اسلامی معیشت کے نفاذ میں اصل رکاوٹ کی نشاندہی ہوتی ہے وہاں یہ فیصلہ بھی بآسانی ہوجاتا ہے کہ ”مجلس تحقیق مسائل حاضرہ“ یا ہمارے اکابر، اسلامی معیشت اور اسلامی بینکاری کا کیا تصور رکھتے تھے؟ بلاسود بینکاری کے بارے میں وہ کیا سمجھتے تھے؟ انہوں نے کیا کہا اور کیا لکھا تھا؟ انہیں کیا توقعات تھیں اور کن چیزوں اور اداروں نے انہیں مایوس کیا؟ مزید برآں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اسلامی معیشت یا اسلامی بینکاری کے حوالہ سے اکابر کا منشاء ومنہج کیا تھا اور ان کی کوششیں وکاوشیں کیا تھیں؟

اللہ تعالیٰ ہمیں صدق دل سے اسلام کی حقانیت کو سمجھنے، سمجھانے اور اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کے زیغ وضلال سے محفوظ فرمائے۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ اس محنت وکوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے اور مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے تمام شرکاء بالخصوص اس مسودہ کے مرتب حضرات کے لئے اسے صدقۂ جاریہ بنائے۔

آمین بحرمة النبی الکریم ﷺ وعلی آله وصحبه اجمعین

سید سلیمان یوسف بنوری

نائب رئیس جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۱۴۳۱/۸/۲۸ھ

۲۰۱۰/۸/۱۰ء

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اسلامی معاشیات، بنیادی خاکہ

محدّث العصر حضرت مولانا سید محمّد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ

کسی موسم کی اچانک اور غیر معمولی تبدیلی کمزور طبائع کے لئے ہیجان و اضطراب کا باعث بن جاتی ہے، بعض کے لئے موت کا پیغام لاتی ہے اور بعض کے لئے مختلف امراض کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ کسی مریض پر اگر بحرانی کیفیت طاری ہوجائے اور اس کی حالت دگر گوں نظر آنے لگے تو اس کے گھر والوں، تیمار داروں اور معالجوں کی توجہ ہر طرف سے ہٹ کر مریض پر جم جاتی ہے، وہ نہ صرف اپنا سب کاروبار بھول جاتے ہیں بلکہ یہ حادثہ انہیں انسان کی طبعی ضروریات سے بھی غافل کردیتا ہے اور اہم سے اہم مشاغل ثانوی حیثیت اختیار کرلیتے ہیں، بالکل یہی حال اس وقت عالم انسانیت کا ہے، وہ اپنی تمام خوبیوں کے باوصف پیدائشی طور پر کمزور طبیعت واقع ہوئی ہے ﴿وخلق الانسان ضعيفا﴾ (ط) مال و جاہ کی محبت اس کا موروثی مرض ہے، مادیت کے مختلف موسموں کی تبدیلی کے زیر اثر وہ ہمیشہ نت نئے امراض کا شکار رہا ہے اور ناپختہ عزمی تلوّن اور سپر اندازی اس کی فطرت بن کررہ گئی ہے، ادھر کچھ مدت سے اسے "دشکمی حادثہ" بھی پیش آگیا ہے جس کے نتیجہ میں اس پر بحرانی کیفیت طاری ہے اور وہ موت و حیات کی

(ط) النساء، آیت ۲۸۔

کشمکش میں گرفتار ہے انسانیت کے غم خواروں، تیمارداروں اور معالجوں کی تمام تر توجہات کا مرکز اس وقت ''مسئلہ شکم'' بنا ہوا ہے چنانچہ آج کل تمام عالم میں عموماً اور دولت خداداد پاکستان میں خصوصاً ''معاشی نظام'' کا ایک اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہے گویا دنیا میں دوسرا کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا، اگر دینی سطح پر دیکھیے تو اسلام کے معاشی نظام، تقسیم دولت، گردش دولت وغیرہ وغیرہ مسائل پر گرما گرم بحثیں ہیں اور اخبار و جرائد میں مضامین و مقالات کا ایک طومار نظر آتا ہے، اگر سیاست کے میدان میں آیئے تو ایک شور برپا ہے کہیں مساوات کے نعرے ہیں، کہیں سوشلزم کی دہائی ہے، کہیں اسلام کی پیوند کاری ہے، کہیں مزدوروں کا نام استعمال کیا جارہا ہے گویا تمام عالم میں صرف ایک ہی مسئلہ ہے اور وہ ہے پیٹ کا مسئلہ، اور دنیا کی ساری تگ ودو کا محور بس ایک پیٹ ہے، دوسری طرف سرمایہ داری نازک حالت میں ہے، سرمایہ دار سراسیمہ ہیں اور سرمایہ داروں کی حمایت کرنے والے حکمران بدحواس ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح جلد سے جلد پیٹ کا مسئلہ حل ہوجائے تو انہیں سکون واطمینان کا سانس نصیب ہو، تیسری طرف جاہلیت کی علمبردار انقلابی پارٹیاں اور اسلامی ممالک میں ریشہ دوانی کرنے والی طاقتیں اس صورت حال سے فائدہ اٹھارہی ہیں اور حکومتوں کے لئے مشکلات پیدا کررہی ہیں۔

بلاشبہ اس صورت حال کا اصلی سبب تو وہ سنگدلی اور بے رحمی ہے جو فقراء ومساکین کے ساتھ کی گئی ہے اور وہ غلط نظام حکومت ہے جس نے رعایا کے پسماندہ افراد کی خبرگیری کے بجائے انہیں مختلف طریقوں سے استحصال کا نشانہ بنایا ہے اور ان سب سے بڑھ کر وہ بے ہودہ نظام معیشت ہے جس نے بینکاری، قماربازی اور ساہوکاری کے ذریعہ معاشرے کا توازن بگاڑ کر رکھ دیا، ایک طبقہ کو دولت کی فراوانی کا تخمہ (بدہضمی) ہے اور دوسری طرف عام طبقہ زندگی قائم رکھنے کے لئے بنیادی وسائل سے بھی محروم ہے، یہ صورت حال یقیناً خدافراموشی کی سزا ہے جو قوموں اور حکومتوں کو مل رہی ہے، لیکن بعض لیڈروں کے غلو کی بھی انتہا ہوگئی ہے کہ انہیں تمام اسلام اور سارے قرآن کریم میں سوائے اس مادی نظام کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا، اس سلسلہ میں قرآن

کریم کی آیات کی تحریف وتبدیل سے بھی یہ لوگ نہیں ڈرتے اور بلاخوف تردید نہایت صفائی کے ساتھ قرآنی مفہومات اور حقائق کو مسخ کرکے آج کل کی نام نہاد ''مساوات'' کے دلائل پیش کئے جارہے ہیں، کوئی سورۂ نحل کی آیت: ﴿والله فضّل بعضكم علىٰ بعض فى الرزق فما الذين فضّلوا برادّى رزقهم علىٰ ما ملكت أيمانهم فهم فيه سواء﴾[1] سے مساوات کیلئے استدلال کرتا ہے اور کوئی سورۂ سجدہ کی آیت: ﴿فقدّر فيها أقواتها فى أربعة أيام سواء للسائلين﴾[2] میں تحریف کررہا ہے حالانکہ پہلی آیت تفاضل اور عدم مساوات کے لئے نص صریح ہے اور دوسری آیت کا اس موضوع سے تعلق ہی نہیں، کوئی ﴿نحن قسمنا بينهم معيشتهم﴾[3] سے غلط استدلال کرکے مساوات کا نتیجہ نکال رہا ہے اور تعجب ہے کہ بعض مشاہیر اہل قلم بھی ان غلط فہمیوں میں بھٹک رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر حیرت کی بات یہ کہ بعض اہل حق کی جماعت سے وابستہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں۔

بلاشبہ معاشی اور مالی نظام عالم کون وفساد کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے اور حق تعالیٰ نے معاشرے کے اس مادی نظام کی اصلاح کے لئے ایک مستقل رسول حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام جیسی جلی القدر شخصیت کو مبعوث فرمایا ہے جنہوں نے خرید وفروخت اور تجارتی لین دین میں ظالمانہ، غیرعادلانہ اور بے رحمانہ نظام معیشت کی اصلاح کے لئے پیغمبرانہ دعوت دی اور شاید تاریخ انسانیت میں یہ سب سے پہلا ظالمانہ معاشرتی نظام تھا کہ آسمانی وحی کے ذریعہ اصلاح کی دعوت دی گئی اور اسے تسلیم نہ کرنے پر بارگاہ قدس کی عدالت سے اس قوم کی تباہی کا فیصلہ کیا گیا، قرآن کریم کی ایک مستقل صورت کا موضوع ہی لین دین میں کمی اور نقصان کرنے والوں کی بد

---

[1] النمل، آیت ۷۱۔

[2] السجدة، آیت ۱۰۔

[3] الزخرف، آیت ۳۲۔

انجامی کا بیان کرنا ہے، میری مراد ”سورۃ تطفیف“ سے ہے۔

امام حجۃ الاسلام غزالی نے ”جواہر القرآن“ میں یہ بحث کی ہے کہ قرآن کریم نے تجارت وبیع وشراء وغیرہ نظامِ معیشت کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ نظامِ معاش جب تک قابلِ اطمینان نہ ہو تو فلاحِ معاد کی طرف توجہ مشکل ہوتی ہے، دینی خدمات کی انجام دہی کے لئے ضروری ہے کہ معاش ومعیشت کا نظم ونسق درست ہو، حجۃ الاسلام کے الفاظ یہ یاد پڑتے ہیں:

”وما لم ينتظم أمر المعاش فى الدنيا لا يتم التبتل والانقطاع إلى الله تعالىٰ“[1]

اسی وجہ سے قرآنی ہدایات اور پیغاماتِ ربانیہ میں تجارت کو ”فضل“ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اسی لئے سود اور سٹے جوئے اور رشوت کو شدید طور پر حرام کر دیا گیا ہے اور سخت ترین وعید سنادی گئی ہے اور دنیا وآخرت دونوں میں اس کے بُرے انجام پر متنبہ کر دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ حقوق العباد کی حفاظت کا یہ بنیادی نکتہ ہے، قرآن کریم جیسے آخری پیغامِ حیات میں اس پر کیونکر توجہ نہ دی جاتی اور مستقبل میں جو مختلف نظامِ معیشت پیدا ہونے والے تھے ان کی اصلاح کے بارے میں بنیادی ہدایات کو قرآنِ حکیم کیسے نظر انداز کر سکتا تھا اور ان سے حق تعالیٰ کا آخری پیغامِ نجات اور دستورِ حیات، اور نظامِ ہدایت کیونکر خالی ہو سکتا تھا، فقراء ومساکین اور یتامیٰ اور ایامیٰ کے لئے صدقات اور عشر وخیرات وانفاق کا عظیم الشان نظام نازل فرمایا ہے بلکہ زکوٰۃ وعشر کو مالی فریضہ اور عظیم الشان عبادت قرار دیا ہے اس سے انکار کرنے کو کفر وارتداد کہا گیا ہے، ان فرض و واجب صدقات کے علاوہ عام خیرات وانفاق کے لئے ترغیب دلائی ہے، ان کے لئے آخرت کے اجر وثواب اور جنتِ نعیم کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، کیا دنیا کا کوئی بھی نظامِ معیشت آسمانی ہو یا غیر آسمانی اسلام کے اس حیرت انگیز نظامِ مواسات کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ کیا دنیا کا کوئی نظام ایسا ہے جس نے غریبوں، کسانوں اور مزدوروں کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہونے دیا ہو۔

معاشی علوم ہوں یا معیشت کے نکات، اقتصادی نظام ہو یا مال ودولت کمانے کا نظم

[1] جواهر القرآن للغزالی ص:۱۶، ط: عزیزیہ پشاور۔

ہو، قرآنِ کریم کا دامن اس سے متعلق ہدایات سے لبریز ہے، یہ حقائق سب صحیح، سب درست ہیں، کسی کو مجالِ انکار نہیں، لیکن اسلام کو موجودہ معاشی تحریکوں پر منطبق کرنا، اس کی سراسر مادی تعبیریں کرنا اور کھینچ تان کر نصوص سے وہی کچھ منوانا جو آج کے معاشیین کہتے ہیں، بدترین غلطی اور مقامِ نبوت سے بے خبری کی دلیل ہے، وحی الٰہی اور نبوت ورسالت کا حقیقی منصب ان حقائق الٰہیہ کو بیان کرنا ہے جن کے ادراک سے انسانی عقول قاصر ہیں، جہاں تک نہ عقلِ افلاطون پہنچی ہے نہ ارسطو کا فلسفہ، نہ یونان کے حکماء پہنچے ہیں نہ رومہ کے قانون دان، نہ مارکس کو اس کی ہوا لگی ہے، نہ لینن کو۔

قرآن کریم تذکیر وموعظت کی کتاب ہے، مابعد الطبیعات کے ربانی حقائق، حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی قدرتِ جلال وجمال کا مرقع ہے، جنت، دوزخ، ملائکہ، حشر اجساد معاد، قیامت کی تفصیلات، مابعد الممات کے احوال، برزخ کے واقعات، عبادات وطاعات کے اصول ومہمات کی عظیم الشان دستاویز ہے، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے ان رموز واشارات کی شرح اور ان مجمل ہدایات کی تفصیل فرمائی ہے، چنانچہ قرآن وحدیث اور کتاب وسنت دونوں لازم وملزوم ہیں، دونوں میں تفریق کا امکان نہیں۔ البتہ حدیث جاننے اور پرکھنے کے لئے فن کی اعلیٰ مہارت چاہیئے اور یہی حال قرآن کریم کا بھی ہے جتنا اونچا کلام ہوگا اس کے سمجھنے میں اتنی ہی دقت ہوگی، ناقصین نے جب بھی دخل دیا الحاد وتحریف دنیا کے سامنے آئی۔

بہر حال قرآن وحدیث کی تعلیم کا نقطہ آغاز وہ اساسی وبنیادی عقائد وحقائق ہیں جو ہزاروں سال سر مارنے کے باوجود عقلِ مجرد کی گرفت میں نہیں آسکتے، پھر اس کی جامعیت کا یہ حال ہے کہ تمام احکامِ الٰہیہ خواہ عبادات ہوں یا معاملات، انفرادی مسائل ہوں یا اجتماعی، راعی کے مسائل ہوں یا رعیت کے، معاشرت کے آداب ہوں یا تجارت کے اصول، الغرض زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی موضوع ایسا نہیں جسے کتاب وسنت نے بیان نہ کیا ہو، اور اسلام کی ہر نوع کی

تعلیمات میں ایسی متانت و رزانت اور اعتدال و میانہ روی ہے کہ عصر حاضر کی نام نہاد اصلاحی تحریکیں اس کی گرد کو بھی نہیں پاسکتیں، قرآن کریم اگر چہ جدید اصطلاح میں دستور یا قانون کی کتاب نہیں ہے جسے عنوانات و دفعات پر مرتب کیا گیا ہو، لیکن اس میں انسانیت کے تمام ہمہ گیر مسائل کی طرف اصولی اشارات دیئے گئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور سیرت طیبہ میں متشکل ہوکر سامنے آتے ہیں، خلافت راشدہ کی تشریحات اور فقہاء امت کی تنقیحات کے بعد وہ ایسا کامل و مکمل دستور ہے کہ دنیا کا کوئی دستور نہ اس کی ہمسری کرسکا ہے اور نہ کرسکے گا۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کے ارشادات و تعلیم نبوت کے دو حصے ہیں:

ایک حصہ تو ان شرعی احکامات کا ہے جن کا درجہ قانون کا ہے اس میں کوتاہی کرنے پر نہ صرف یہ کہ "اسلامی حکومت" گرفت کرسکتی ہے، بلکہ ایسا شخص شرعی اصطلاح میں عاصی اور گنہ گار بھی ہے جس کے لئے آخرت کی سزا و عقوبت کی دھمکی دی گئی ہے، زکاۃ، عشر، صدقہ فطر اور دیگر صدقات واجبہ اسی شعبہ میں داخل ہیں۔

دوسرا حصہ اخلاقی ترغیبات کا ہے، ان کا درجہ قانون کا نہیں بلکہ اخلاقی فضیلت کا ہے، انفاق فی سبیل اللہ کا ایک بڑا حصہ دوسری قسم سے وابستہ ہے، آج کل بہت سے نااہل قرآن کریم میں غور کرتے ہوئے ان دونوں حصوں کو باہم ملا دیتے ہیں، یہی وہ خلط مبحث ہے جو ان کی خامی و نااہلی کی دلیل ہے، آج کل معاشی مسائل میں یہ خلط مبحث انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ ان دو حصوں کو الگ سمجھنے کے لئے عہد نبوت کی عملی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اور پھر خلافتِ راشدہ کے دور میں ان قوانین و مسائل کی تشکیل سے دونوں کا امتیاز واضح ہوجاتا ہے۔

غزوہ تبوک میں عسرت و تنگدستی عام تھی، دور دراز کا سفر تھا، ایک منظم طاقت سے مقابلہ تھا اور جزیرۃ العرب سے باہر جا کر جہاد کرنا تھا ایسے نازک موقع پر بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مالدار سے جبراً کوئی استحصال نہیں کیا، بلکہ صرف ترغیب دی، اعلان کردیا، جنت و

مغفرت کے وعدے سنادیئے فرمایا: "من يجهز جيش العسرة أضمن له الجنة" چونکہ قلوب کی اصلاح ہوچکی تھی اس لئے ہر شخص نے اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق جتنا چاہا برضا و رغبت پیش کردیا اور ضرورت پوری ہوگئی، یہی طرز و معاملہ تمام اسلامی ادوار میں رہا، بعد کے بعض ادوار میں ایسے واقعات ضرور پیش آئے، جبکہ تاتاریوں کا سیلاب آیا تو بعض ممالک میں ان کے مقابلہ کے لئے بیت المال کا خزانہ کافی نہ تھا اس وقت علماء نے فتویٰ دیا کہ جہاں ایسی صورت پیش آئے کہ بیت المال کا خزانہ کافی نہ ہو اور تمام اونچے مناصب والوں کی اعانت بھی کافی نہ ہو تو عوام سے ان کے فاضل اموال لئے جاسکتے ہیں، لیکن یہ حق بھی ان اسلامی حکمرانوں کو ہوتا ہے جو اسلامی قوانین ملک میں نافذ کرچکے ہوں اور اسلامی حکومت صحیح معنی میں اسلامی حکومت ہو، جس کی سب سے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ معاملات و حقوق میں پورے کا پورا اسلامی قانون نافذ کرے، شرعی تعزیرات و حدود کا اجراء کرے اور معاشرے کو کتاب و سنت کا پابند بنائے، اسلامی سلطنت کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہے کہ ملک کے فقراء و مساکین کی کفالت یا ریاست کی دفاعی ضروریات کے لئے اگر بیت المال کی رقم ناکافی ہو تو اغنیاء سے ترغیبی چندہ اور قرضہ حسنہ لے اور اگر اس سے بھی ضرورت پوری نہ ہو اور ارباب دولت و ثروت بخل سے کام لیں اور وہ رضا کارانہ طور پر دینے کے لئے آمادہ نہ ہوں تو ان سے زبردستی وصول کرے تا آنکہ وہ ہنگامی ضرورت پوری ہوجائے، ہمارا خیال ہے کہ کسی صحیح اسلامی معاشرہ میں یہ نوبت آہی نہیں سکتی۔

اس شدید وقتی تقاضے کے پیشِ نظر مدرسہ عربیہ اسلامیہ (حال جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن) نے چاہا کہ علمی انداز سے اسلامی معاشیات پر ایک مفصل کتاب مدون ہوجائے جو قرآن و احادیث و فقہاء امت کے ارشادات اور تاریخ اسلام کی روشنی میں مرتب ہو، جس میں نہ خدا فراموش سوشلزم یا کمیونزم کے جراثیم ہوں نہ دین فراموش سنگدل سرمایہ دارانہ ذہنیت کارفرما ہو، اس کے لئے ضرورت تھی کہ چند مستند علماء ایک جگہ بیٹھ کر اس کام کا خاکہ تیار کریں، چنانچہ پہلے مرحلہ پر جن حضرات کو جمع کیا گیا راقم الحروف کے علاوہ ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

مولانا مفتی ولی حسن صاحب، مولانا مفتی رشید احمد صاحب، مولانا مفتی محمود صاحب (ملتان) مولانا محمد ادریس صاحب، مولانا محمد رفیع صاحب مدرس دار العلوم کراچی، مولانا محمد تقی صاحب مدرس دار العلوم و مدیر البلاغ، جناب محمد اقبال صاحب ایڈوکیٹ، اس اجتماع میں مزارعت، احیاءِ موات اور زمینی مسائل سے متعلق ایک مختصر خاکہ تیار کیا گیا تھا جس کی حیثیت بھی صرف استفتاء ہی کی ہوسکتی ہے نہ اس کی کتابی تدوین وترتیب تھی نہ وہ آخری رائے تھی بلکہ ناتمام خاکہ تھا جو سائیکلوسٹائل کر کے شائع کیا گیا تھا، تاکہ اسے علماء کے پاس بھیجا جاسکے اور اس کی اشاعت کی غرض بھی یہی تھی لیکن خودغرض حضرات نے اس کو آخری فیصلہ سمجھا کہ اس سے اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگے، یہ جلد بازی ہے، دوسرے مرحلے پر شرکاءِ مجلس کچھ کم ہوگئے اور کتاب کے مختلف ابواب تجویز کر کے کام تقسیم کر دیا گیا اور حسب ذیل حضرات اس پر کام کر رہے ہیں:

① مولانا مفتی ولی حسن، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی

② مولانا محمد ادریس صاحب، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔

③ مولانا مفتی رشید احمد صاحب، اشرف المدارس کراچی۔

④ مولانا محمد تقی صاحب، دار العلوم کراچی۔

یہ کام جاری ہے تکمیل تک نہیں پہنچا، حق تعالیٰ جلد اس کی تکمیل کرائے پھر بھی یہ آخری رائے نہ ہوگی، علماء کو تبصرہ وتنقید کا موقع دیا جائے گا، ہوسکتا ہے کہ جرح وتعدیل کے بعد اس کو آخری شکل دی جاسکے، ضرورت تھی کہ اس صورتِ حال کو واضح کر دیا جائے تاکہ بعض معاصر رسالوں میں جو ابتدائی خاکہ شائع ہوگیا ہے اس کو علماء کی آخری رائے نہ سمجھا جائے۔

واللہ ولی التوفیق

محمد یوسف بنوری

(ماہنامہ بینات، بصائر وعبر، جمادی الاولیٰ، اگست ۱۹۶۹ء)

موجودہ معاشی بحران

اور اس کے رفع کرنے کی تدابیر

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

﴿ظهر الفساد في البرّ والبحر بما كسبت أيدي الناس ليذيقهم بعض الذي عملوا لعلّهم يرجعون﴾

[الروم:۴۱]

ترجمہ: انسان کی بداعمالیوں کی وجہ سے بر وبحر میں فساد برپا ہے تاکہ خدا ان کی کچھ بداعمالیوں کا مزا ان کو چکھا دیں شاید وہ باز آجائیں۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانی معاشرہ کو تباہ وبرباد اور نظام معیشت کو درہم وبرہم کر دینے والی تمام تر خرابیوں اور بدکاریوں کی جڑ قومی معیشت میں ہوس زر اور اس کے نتیجے میں پروان چڑھنے والی ''زراندوزی'' ہے جس کو معاشیات کی اصطلاح میں اکتنازِ زر اور انجمادِ دولت کہتے ہیں۔

اسلام نے اس اکتنازِ زر اور انجمادِ دولت کی بیخ کنی کرنے اور دولت کو چند ہاتوں میں سمٹنے سے بچانے کی یعنی سرمایہ کو متحرک رکھنے کی اور سمٹی ہوئی دولت اور منجمد سرمایہ کو گردش میں لانے کی تین تدبیریں تجویز کی ہیں:

① انفاق

② زکوٰۃ وصدقات واوقاف

③ توریث ووصیت

اور زراندوزی کو جنم دینے اور پروان چڑھانے والے تین حرام ذرائع:

① سود اور سودی کاروبار یعنی بینکاری

② جوا، سٹہ اور بیمہ کاری

③ بیوع فاسدہ یعنی ناجائز معاملات کو قطعاً حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

ہم اول مذکورہ بالا تدابیر پر قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں تفصیلی بحث کریں گے اس کے بعد زراندوزی کو جنم دینے والے حرام ذرائع پر مفصل بحث کریں گے اور قومی معیشت میں ان کے متبادل صحیح طریق کار بتلائیں گے ان شاء اللہ العزیز، تاکہ مکمل طور پر اسلام کا اقتصادی نظام سامنے آجائے۔

انفاق

منجمد سرمایہ اور زراندوز طبقہ

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿والذين يكنزون الذّهب والفضّة و لا ينفقونها فى سبيل الله فبشّرهم بعذاب أليم يوم يُحمىٰ عليها فى نار جهنّم فتكوىٰ بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هٰذا ما كنزتم لأنفسكم فذوقوا ما كنتم تكنزون﴾ [التوبه: ٣٤، ٣٥]

ترجمہ: اور جو لوگ سونے چاندی کو دبا کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (اے نبی تم) ان کو بشارت دیدو دردناک عذاب کی جس دن اس سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو پہلوؤں کو اور پشتوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہی سونا چاندی تو ہے جو تم نے اپنے لئے دبا کر رکھا تھا پس اب چکھو اس کو دبا کر رکھنے کا مزا۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ جو بھی سونا چاندی یعنی سرمایہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ نہ کیا جائے یعنی ایک یا چند ہاتھوں میں جمع ہو کر جام ہو جائے تو کنز ہے اور اس کا

اکتناز حرام اور موجبِ عذاب شدید ہے، لیکن جو سرمایہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کیا جاتا رہے یعنی مختلف ہاتھوں میں گردش کرتا رہے، آتا رہے جاتا رہے وہ خواہ کتنا ہی وافر کیوں نہ ہو، اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے جس کا شکر اللہ کے حکم کے مطابق اس کا اظہار یعنی خرچ کرنا ہی ہے ارشاد ہے:

﴿و أمّا بنعمة ربّك فحدّث﴾ [الضحیٰ: ١١]

اور ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق وہ اکتساب خیرات وحسنات کے لئے بہترین معاون ہے: "نعم العون المال الحلال".

اسلام حکومت کو بھی اکتناز زر کی اجازت نہیں [1] دیتا چنانچہ محاربات میں حاصل شدہ دشمنوں کے اموال (مال غنیمت) کو بھی جو بظاہر خالص حکومت کی آمدنیاں ہیں دوسرے عام انفاقات کی طرح غانمین اور فقراء و مساکین وغیرہ پر تقسیم کردینے کا حکم دیتا ہے، قرآن عزیز کا حکم ہے:

﴿واعلموا أنّما غنمتم من شيءٍ فأنّ لله خمسه و للرسول و لذى القربىٰ و اليتامىٰ و المساكين و ابن السبيل﴾ [الانفال: ٤١]

ترجمہ: اور یاد رکھو! جو کچھ بھی تم کو مال غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے واسطے رسول کے واسطے اور رسول کے قرابت داروں کے واسطے اور یتیموں محتاجوں اور مسافروں کے واسطے ہے۔

چنانچہ کل مال غنیمت کے چار حصے غانمین (شریک جنگ مجاہدین) کے ہوتے ہیں اور

[1] اس کے برعکس عہد حاضر کی نام نہاد عوامی حکومتوں یعنی سوشلسٹ اور کمیونسٹ حکومتوں کی تو بنیاد ہی اس پر قائم ہے کہ "قومیانے" کے پرفریب نام سے ملک کا تمام سرمایہ اسٹیٹ کے پاس سمٹ آئے اور وہ خود واحد سرمایہ دار اسٹیٹ بن جائے اور طاقت وقوت کی پشت پناہی سے انجماد دولت اس طرح محکم طور پر کردیا جائے کہ اس جام سرمایہ اور منجمد دولت کو حرکت میں لانا ہی ممکن نہ ہو اس لحاظ سے یہ عوامی حکومتیں سرمایہ داری کی دشمن نہیں بلکہ اعلیٰ درجے کی سرمایہ دار اور سرمایہ پرست سامراجی حکومتیں ہیں

پانچواں حصہ مذکورہ بالا مدات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ [۱]

اور نہ ہی چند دولت مندوں کو مزید دولت مند بنانے کا اختیار دیتا ہے [۲] چنانچہ مال فی (بغیر جنگ کئے دشمنوں کے حاصل شدہ اموال) کو مستحقین پر تقسیم کرنے کے حکم کے ذیل میں

---

[۱] یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت میں تو بیت المال (سرکاری خزانہ) کی قسم کی کسی چیز کا وجود ہی نہ تھا حالانکہ نبی رحمت ﷺ کے پاس خصوصا آخری عہد نبوت میں غزوات وفتوحات کا سلسلہ شروع ہو جانے کے بعد وعدہ خداوندی: ﴿وعدكم الله مغانم كثيرة تاخذونها﴾ ترجمہ: اللہ نے تم سے بہت سے اموال غنیمت کا وعدہ کیا ہے جس کو تم لوگے (اور مالک بنوگے) کے تحت بے شمار اموال مختلف مدات (زکوٰۃ صدقات و مال غنیمت وفیٔ، جزیہ وخراج) میں شب وروز آتے تھے مگر رات ہونے سے پہلے مستحقین کو تقسیم کئے جاتے تھے غیر منقسم مال پر آپ کے پاس شب نہیں گذرتی تھی اسی لیے جب کبھی غزوہ کے لیے اموال کی ضرورت پیش آتی آپ اس کیلئے حرب ودفاع کی مد میں مسلمانوں کو انفاق کا حکم دیتے ہر شخص اپنی مالی وسعت کے مطابق (اغنیاء ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اور قلیل المایہ سے جو بن پڑتا) پیش کر دیتا کوئی نقد کی صورت میں کوئی ضروریات وسامان جنگ کی صورت میں اور ہاتھ کے ہاتھ مصارف جنگ کی مدات میں خرچ کر دیا جاتا، آپ کی وفات کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ڈھائی سالہ عہد خلافت میں بھی یہی صورت حال قائم رہی خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی حکومت کا دائرہ جزیرۃ العرب کے علاوہ ایران، عراق وشام جیسے عظیم ممالک تک وسیع ہو گیا اور فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رہا تو حرب ودفاع اور رفاہ عامہ کی مد میں اخراجات بہت بڑھ گئے لہٰذا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیوان جند (ملٹری ڈپارٹمنٹ) اور اسی کے ساتھ بیت المال (سرکاری خزانہ) کی بنا ڈالی مگر شان اس سرکاری خزانہ کی بھی وہی رہی کہ ادھر اموال آئے اور ادھر خرچ ہوئے۔

بہر حال اسلام کے زریں عہد یعنی خلفاء راشدین کے عہد میں بیت المال کے اندر اموال جمع ہوتے تھے خرچ کرنے کے لئے اسی لئے بارہا ایسی نوبتیں آتی تھی کہ بیت المال میں ایک پیسہ بھی نہیں رہتا تھا اور تمام اخراجات عامۃ المسلمین کے انفاقات سے پورے کئے جاتے تھے، تاریخ اس کی شاہد ہے اور یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ اسلامی معاشرہ کا پورا معاشی نظام انفاقات پر قائم تھا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انفاق کا دائرہ کتنا وسیع ہے ایسی صورت میں اکتناز زر اور انجماد دولت کا کوئی امکان ہی نہیں باقی رہتا یہی مطلب ہے: ﴿ولا ينفقونها في سبيل الله﴾ کا۔

[۲] سرمایہ داروں اور سامراجی حکومتوں کی بنیاد اسی پر قائم ہے کہ معاشی استحصال کے ذریعہ ملک کا تمام سرمایہ چند سرمایہ دار ہاتھوں میں سمٹ آئے اور سرمایہ کے تمام منافع انہی چند افراد یا خاندانوں کے لئے مخصوص ومحصور ہو جائیں اور نتیجہ کے اعتبار سے اکتناز زر کی راہ ہموار ہو جائے فرق صرف یہ ہے کہ سوشلسٹ اور کمیونسٹ حکومتیں طاقت کے ذریعہ ملک کے تمام سرمایہ پر قبضہ کرتی ہیں اور سرمایہ دار حکومتیں بینکاری اور بیمہ کاری کے نظام کو ملک پر مسلط کر کے۔ اسلامی معاشی نظام ان دونوں لعنتوں سے پاک ہے۔

انجماد دولت کے خطرہ سے قرآن عظیم نے ذیل کے الفاظ میں متنبہ فرمایا ہے۔

﴿ما أفاء الله على رسوله من أهل القرىٰ فلله وللرسول ولذي القربىٰ واليتامى والمساكين وابن السبيل كي لا يكون دولة بين الاغنياء منكم﴾ [الحشر: ۷]

ترجمہ: اور جو مال اللہ نے بستی والوں سے بغیر جنگ کئے اپنے رسول کو پہنچایا پس وہ اللہ کے واسطے ہیں رسول کے واسطے اس کے قرابت داروں کے واسطے اور یتیموں کے محتاجوں کے مسافروں کے واسطے ہیں تا کہ مال تم میں سے (صرف) دولت مندوں کے درمیان ہی آنے جانے والا نہ ہو جائے۔

انفاق کے دو مرتبے

اس انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے رہنے) کے دو درجے ہیں ایک ادنیٰ جس کے بعد جمع شدہ مال شرعا کنز نہیں رہتا، دوسرا اعلیٰ جو عند اللہ مطلوب ہے ادنیٰ درجہ کو حدیث شریف میں بیان فرمایا ہے ارشاد ہے:

"أيّ مال أدّي زكوٰته ليس بكنز" [۱]

ترجمہ: ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کردی گئی وہ کنز نہیں ہے۔

اس کی تفصیل ہم زکوٰۃ کے ذیل میں بیان کریں گے۔ اعلیٰ مرتبہ کو قرآن حکیم میں بیان فرمایا ہے ارشاد ہے:

﴿و يسئلونك ما ذا ينفقون قل العفو﴾ [البقرة: ۲۱۹]

ترجمہ: (اے نبی) وہ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا (یعنی کتنا) مال خرچ کریں؟ تم کہہ دو زائد مال (خرچ کرو)۔

باتفاق مفسرین صاحب مال کی حاجات اصلیہ سے فاضل مال عفو کا مصداق ہے۔

---

[۱] مصنف ابن ابی شیبہ: ۶/۵۴۰ باب ماقالوا في المال اذا كان تودى زكاته فليس بكنز،
ط: ادارة القرآن کراچی۔

انسان کی حاجات اصلیہ کی تشخیص بھی قرآن عزیز میں بیان فرمائی ہے:

① حد اعتدال میں رہ کر حسب حال جائز زینت و آرائش کا سامان اور حلال و لذیذ غذائیں اور مشروبات۔

ارشاد ہے:

۱:﴿قل من حرّم زينة الله التی أخرج لعباده والطيبات من الرزق﴾ [الاعراف:۳۲]

ترجمہ: (اے نبی) تم کہہ دو کس نے حرام کیا ہے اللہ کی (دی ہوئی) زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہے اور حلال وعمدہ کھانے (پینے) کی چیزوں کو۔

۲:﴿يا بنی آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد و كلوا واشربوا و لا تسرفوا انه لا يحب المسرفين﴾[الاعراف:۳۱]

ترجمہ: اے اولاد آدم لے لو اپنے آرائش (کے لباس) کو ہر نماز کے وقت اور کھاؤ پیو اور (اس میں) بیجا خرچ مت کرو بیشک اللہ پسند نہیں کرتا بے جا خرچ کرنے والوں کو۔

۳:﴿فكلوا ممّا رزقكم الله حلالا طيّبا واشكروا نعمت الله﴾ [النحل :۱۱۴]

ترجمہ: پس جو حلال وطیب روزی اللہ نے تمہیں دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو۔

② ستر پوشی اور باوقار، سردی گرمی سے بچانے والا حسب ضرورت لباس

ارشاد ہے:

۱:﴿يا بنی آدم قد أنزلنا عليكم لباسا يُواری سوآتكم وريشا ولباس التقوىٰ ذلك خير﴾ [الاعراف:۲۶]

ترجمہ: اے آدم کی اولاد! ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو چھپائے تمہارے شرم گاہوں کو اور زینت کا لباس اور پرہیزگاری کا لباس تو سب سے بہتر ہے۔

۲:﴿وجعل لكم سرابيل تقيكم الحرّ و سرابيل تقيكم بأسكم كذلك يتمّ نعمته عليكم لعلّكم تُسلمون﴾ [النحل :۸۱]

ترجمہ: اور اللہ نے بنادیئے تمہارے کرتے جو بچاتے ہیں تم کو گرمی (سردی) سے اور ایسے کرتے (وزرہیں) جو بچاتے ہیں تم کو لڑائی میں اسی طرح اللہ پورا کرتا ہے تم پر اپنا انعام تاکہ تم فرمانبرداری کرو۔

③ حسب ضرورت رہنے کے لئے مکان اور اثاث البیت

۱:﴿والله جعل لكم من بيوتكم سكنا و جعل لكم من جلود الأنعام بيوتا تستخفّونها يوم ظعنكم و يوم اقامتكم و من أصوافها و أوبارها و أشعارها أثاثا و متاعا إلى حين﴾ [النحل :۸۰]

ترجمہ: اور اللہ نے بنادیئے تمہارے گھر تمہارے مسکن اور بنادئے چوپایوں کی کھالوں کے گھر (چرمی خیمے) جو تم آسانی سے اٹھالیتے ہو جب سفر میں ہوتے ہو اور جب قیام کی حالت میں ہو، اور بھیڑوں کی اون سے اور اونٹوں کی پشم سے اور بکریوں کے بالوں سے گھروں کا سامان اور استعمال کی چیزیں تاحین حیات۔

قرآن حکیم کی یہ چند آیات بطور گلے از گلزارے ہم نے انتخاب کی ہیں ان آیات میں انسان کی تین مسلمہ بنیادی ضرورتوں: (۱) غذا (۲) لباس (۳) مسکن (مکان) اور ان کے لوازمات سے حسب استطاعت انتفاع کا حکم فرمایا ہے بشرطیکہ اس میں اسراف (فضول خرچی) نہ ہو۔

عفو وفاضل مال کی تعریف

قرآن وحدیث کی تفصیلی تعلیمات کی روشنی میں علماء نے فرمایا ہے کہ ہر شخص کے حرفہ،

معاشی مشغلہ اور منصب کے اعتبار سے حد اعتدال میں رہ کر مذکورہ بالا ہر سہ ضروریات اور ان کے لوازمات ہر شخص کی حوائج اصلیہ ہیں۔ [۱]

---

[۱] یاقوت حموی شرح اشباہ ونظائر میں ص:۱۰ پر لکھتے ہیں:(شرح حموی، القاعدة الخامسة، الضرر یزال :۲۵۲/ ۱، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامیه کراچی)

فی فتح القدیر ههنا خمس مراتب: ۱:ضرورة ۲:حاجة ۳:منفعة ٤:زينة ٥: فضول.

(۱)فالضرورة بلوغه حدا إن لم يتناول الممنوع هلك أو قارب الهلاك وهذا يبيح تناول الحرام .(۲) والحاجة كا الجائع الذی لو لم يجد ما يأكله لم يهلك غير أنه يكون فی جهد و مشقة وهذا لا يبيح الحرام و يبيح الفطر فی الصوم (۳) والمنفعة كالذی يشتهی خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم (٤) والزينة كالمشتهی بحلوی والسكر (٥) والفضول التوسع بأكل الحرام والشبهة.

ترجمہ: فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس مقام پر پانچ درجے ہیں:

۱-ضرورت ۲-حاجت ۳-منفعت ۴-زینت ۵-فضول (بیکار یا بیجا)

(۱)ضرورت تو یہ ہے کہ اگر ممنوع (اور حرام) چیز سے انتفاع نہ کرے تو ہلاک ہو جائے یا ہلاکت کے قریب پہنچ جائے اس صورت میں ممنوع چیز سے انتفاع کی اجازت ہے۔(۲) حاجت کی مثال ایسی ہے جیسا ایک بھوکا آدمی جسے اگر کھانے کے لئے کچھ نہ ملے تب بھی ہلاک تو نہ ہو ہاں تکلیف اور مشقت اٹھانی پڑے اس صورت میں حرام چیز مباح نہ ہوگی، روزے کو افطار کرسکتا ہے۔(۳) منفعت کی مثال ایسی ہے جیسا ایک آدمی گیہوں کی روٹی بکری کا گوشت اور مرغن غذا کھانا پسند کرے اور(۴) زینت کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی شخص غذا میں میٹھا کھانا پسند کرے اور(۵) فضول کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھانے پینے میں حرام وحلال کی پرواہ نہ کرے اور سب کچھ جائز سمجھے۔

عہد حاضر کے علماء معاشیات انسانی حوائج کی اول تین قسمیں کرتے ہیں:

۱-ضروریات ۲-آسائشات ۳-تعیشات

پھر ضروریات کی تین قسمیں کرتے ہیں:

(۱)ضروریات برائے زندگی: وہ اشیاء جو انسان کی بقاء کے لئے ضروری ہوں۔(۲)ضروریات برائے کارکردگی: وہ اشیاء جو انسان کو چاق وچوبند اور کام کرنے کے قابل رکھے۔(۳)ضروریات رسمی: وہ غیر فطری ضروریات زندگی جس کا انسان عادی ہو چکا ہو۔(۴) آسائشات: وہ اشیاء جو کارکردگی میں اضافہ تو کرے مگر ان پر خرچ کارکردگی کے اضافہ کی بنسبت زیادہ ہو۔(۵) تعیشات: وہ اشیاء جن کا صرف غیر ضروری بھی ہو اور کارکردگی میں اضافہ بھی مطلق نہ ہو بلکہ مضر ہو، فرق صرف یہ ہے کہ علماء اسلام نے حرام حلال اور مباح کے اصول کو سامنے رکھ کر تقسیم کی ہے اور علماء معاشیات نے منفعت ومضرت کو سامنے رکھا ہے۔

حال ومآل کے اعتبار سے جس قدر مال ان کے لئے ضروری ہو اس سے جو مال و دولت فاضل ہو وہ عفو کا مصداق ہے اس کو اللہ جل مجدہ کی تجویز کردہ مصارف و مدات میں خرچ کرتے رہنا انفاق فی سبیل اللہ کا اعلیٰ مرتبہ اور عند اللہ مطلوب ہے اسی کے ذریعے نظام معیشت اکتناز زر کے خطرے سے قطعی طور پر محفوظ و مامون رہتا ہے۔

صحیح مسلم میں حدیث قدسی میں آیا ہے:

قال الله تعالیٰ : يا ابن آدم انفق انفق عليك وقال يمين الله ملای سحاء لا يغيضها شيئ الليل والنهار. [۱]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم کی اولاد! (جو میں نے دیا ہے) تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کا ہاتھ بھرا ہے رات دن برس رہا ہے۔

نبی رحمت ﷺ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو وصیت فرماتے ہیں:

انفقی ولا تحصی فيحصی الله عليك ولا توعی فيوعی الله عليك . [۲]

ترجمہ: تم خرچ کئے جاؤ اور شمار نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ تم پر شمار کرنے لگے اور تھیلیوں میں جمع کر کے مت رکھو کہ اللہ بھی اپنی تھیلی کا منہ بند کر لے۔

مصارف ومدات انفاق

قرآن حکیم نے اس انفاق کے مصارف و مدات بھی تجویز فرمادی ہیں مگر یہ مصارف انفاق یقینا مصارف زکوٰۃ کے علاوہ ہیں اس لئے کہ مصارف زکوٰۃ و صدقات تو "إنما الصدقات" کے عنوان سے قرآن حکیم میں مستقل طور پر بیان فرمائے ہیں وجوہ فرق زکوٰۃ کی بحث میں آتے ہیں۔

([۱]) مسلم :۳۲۲/ ۱، باب الحث على النفقة، ط: قديمی كتب خانه كراچی.

([۲])مسلم :۳۳۱/ ۱،باب الحث على الانفاق وكراهة الاحصاء،ط:قديمی كتب خانه كراچی.

ماں، باپ، قرابت دار، یتیم، مسکین، مسافر، عام مصارف خیر

مقدار انفاق اور مصارف انفاق کے ذیل میں ارشاد ہے:

﴿یسئلونك ماذا ینفقون قل ما أنفقتم من خیر فللوالدین والأقربین والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل وما تفعلوا من خیر فإنّ الله به علیم﴾ [البقرة:٢١٥]

ترجمہ: وہ تم سے دریافت کرتے ہیں: ہم کیا خرچ کریں؟ تم ان سے کہہ دو: جو مال بھی تم خرچ کرو تو وہ ماں باپ کے لئے اور قریب تر رشتہ داروں کے لئے یتیموں، محتاجوں مسافروں کے لئے (خرچ کرو) اور جو بھی نیک کام تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

سائل، غیر مستطیع مدیون

انواع بر کے ذیل میں ارشاد ہے:

﴿وآتی المال علی حبّه ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب﴾ [البقرة:١٧٧]

ترجمہ: اور مال دے اس کی محبت کے باوجود، رشتہ داروں کو یتیموں کو محتاجوں کو مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔

واضح ہو کہ اس آیت کریمہ میں یہ انفاق زکوٰۃ کے علاوہ ہے اس لئے کہ اداء زکوٰۃ کا ذکر تو اسی آیت میں مستقل عنوان "وآتی الزکوٰۃ" کے تحت فرمایا ہے۔

ہمسایہ قریب ہمسایہ بعید، شریک حرفہ، مملوک غلام کنیز

اس انفاق کا درجہ اللہ کی عبادت کے بعد ہے، ارشاد ہے:

﴿واعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئا وبالوالدین إحسانا وبذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت أیمانکم إنّ الله لا یحبّ من کان مختالا فخورا﴾

ترجمہ: اور عبادت کرو اللہ کی اور شریک مت کرو اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت داروں کے ساتھ یتیموں، محتاجوں کے ساتھ اور پاس کے پڑوسی کے اور دور کے پڑوسی کے ساتھ اور پاس بیٹھنے والے (شریک حرفہ) کے ساتھ اور مسافروں اور جن کے تم مالک ہو (غلام کنیز یا نوکر خادم) ان کے ساتھ۔ بیشک اللہ پسند نہیں کرتا اترانے والے شیخی مارنے والے لوگوں کو۔ [النساء:٣٦]

بیوی اولاد

شوہروں کو بیویوں پر فوقیت حاصل ہونے کی ایک وجہ معاشی کفالت ہے ارشاد ہے:

﴿الرجال قوّامون علی النّساء بما فضّل الله بعضهم علی بعض وبما أنفقوا من أموالهم﴾ [النساء:٣٤]

ترجمہ: مرد حاکم ہیں (عورتوں پر) اس لئے کہ بڑائی دی اللہ نے بعض کو (مردوں کو) بعض پر (عورتوں پر) اور اس لئے کہ وہ مرد خرچ کرتے ہیں ان پر اپنے مال۔

﴿وعلی المولود له رزقهنّ وکسوتهنّ بالمعروف﴾ [البقرة:٢٣٣]

ترجمہ: اور جس کا بچہ ہے اس کا ذمہ ہے ان (دودھ پلانے والیوں) کی خوراک اور لباس (کا خرچ)

﴿وعلی الوارث مثل ذلك﴾

حرب ودفاع ورفاہِ عامہ

قرآن حکیم سامان حرب ودفاع وغیرہ پر اموال خرچ نہ کرنے کو اپنے ہاتھوں اپنی موت بلانے کے مرادف قرار دیتا ہے، ارشاد ہے:

﴿وأنفقوا فی سبیل الله ولا تلقوا بأیدیکم إلی التّهلکة﴾

[البقرة:١٥٥]

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں (لڑائی میں) خرچ کرو اور اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت ڈالو۔

سائل وغیر سائل

قرآن کریم انسان کے مال میں سائل وغیر سائل ہر دو کا حق تجویز کرتا ہے:

﴿وفی أموالهم حقّ للسائل والمحروم﴾ [الذاریات:۱۹]

ترجمہ: اور ان (اللہ سے ڈرنے والوں) کے اموال میں حصہ ہے مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (ضرورت مندوں) کا۔

نیز نہ مانگنے والے باحمیت ضرورت مند کو مانگنے والے پر ترجیح دیتا ہے اور ارباب اموال کو ایسے غیور ضرورت مندوں کی ضروریات پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، ارشاد ہے:

﴿للفقراء الذین أحصروا فی سبیل الله لا یستطیعون ضربا فی الأرض یحسبهم الجاهل أغنیاء من التعفّف تعرفهم بسیماهم لا یسئلون الناس إلحافا﴾ [البقرہ:۲۷۳]

ترجمہ: وہ (صدقات وخیرات) ان ضرورت مندوں کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں (اپنی زندگی اللہ کے لئے وقف کردی ہے اس لئے) وہ زمین میں (کاروبار کے لئے) سفر نہیں کرسکتے نادان آدمی ان کو غنی سمجھتا ہے تم ان کے چہروں سے ان کو پہچان لوگے (کہ یہ ضرورت مند ہیں) وہ نہ سوال کرتے ہیں نہ اصرار۔

بہرصورت سائل کو جھڑکنے سے سختی کے ساتھ منع فرماتے ہیں بلکہ حکم دیتا ہے کہ اگر اللہ نے تم کو وسعت دی ہے تو اس کی ضرورت پوری کر کے شکر نعمت ادا کرو ورنہ نرمی سے معذرت کرو ارشاد ہے:

﴿وأمّا السائل فلا تنهر وأمّا بنعمت ربّك فحدّث﴾ [الضحیٰ:۱۱]

ترجمہ: اور مانگنے والے کو مت جھڑکو اور اپنے پروردگار کی نعمت کا اظہار کرو۔

﴿قول معروف و مغفرة خیر من صدقة یتبعها أذیً والله غنی حلیم﴾ [البقرۃ:۲۶۳]

ترجمہ: بھلی بات کہہ دینا اور (سائل کی ترش کلامی کو) معاف کردینا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ایذارسانی ہو۔

یہ انفاق کچھ مالداروں اور دولت مندوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان خواہ خوشحال ہو خواہ تنگدست اپنی استطاعت کے مطابق اس کا مخاطب ہے، ارشاد ہے:

﴿أعدّت للمتقین الذین ینفقون فی السراء والضراء و الکاظمین الغیظ و العافین عن الناس و الله یحبّ المحسنین﴾ [آل عمران:۱۳۳]

ترجمہ: وہ جنت تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی اور تنگدستی میں بھی اور ضبط کرتے ہیں غصہ کو اور معاف کرتے ہیں لوگوں (کی خطاؤں) کو اور اللہ پسند کرتا ہے نکوکاروں کو۔

جو لوگ ان رضاکارانہ طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں پر طعن وتشنیع کرتے ہیں ان کے متعلق ارشاد ہے:

﴿الذین یلمزون المطّوّعین من المؤمنین فی الصدقات والذین لا یجدون إلّا جهدهم فیسخرون منهم سخر الله منهم ولهم عذاب ألیم﴾ [التوبہ:۷۹]

ترجمہ: وہ لوگ جو طعنے دیتے ہیں ان ایمان والوں پر بھی جو دل کھول کر خیرات دیتے ہیں اور ان پر بھی جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت ومشقت (کی کمائی) پس مذاق اُڑاتے ہیں ان کا اللہ ان کا مذاق اُڑائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اس انفاق سے صرف وہ تہی دست لوگ مستثنیٰ ہیں جن کے پاس دینے کے لئے بجز دعا خیر کے اور کچھ نہ ہو:

﴿لیس علی الضّعفاء ولا علی المرضی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج إذا نصحوا لله ورسوله ما علی المحسنین من سبیل والله غفور رحیم ولا علی الذین إذا ما أتوك لتحملهم قلت لا أجد ما أحملكم علیه تولّوا وأعینهم تفیض من الدمع حزنا ألّا یجدوا ما ینفقون﴾

ترجمہ: نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے کچھ گناہ جبکہ وہ خیر خواہی کریں اللہ اور اس کے رسول کی، نہیں ہے (ایسے) نکوکاروں پر کوئی (الزام کی) راہ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور نہ ان لوگوں پر (کچھ گناہ) ہے جو تمہارے پاس جب آئے تا کہ تم ان کو (جہاد کے لئے) سواری دو تو تم نے کہا: میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کوئی سواری نہیں تو وہ آنکھوں سے آنسو بہاتے (اور اپنی محرومی پر روتے) ہوئے واپس چلے گئے اس غم میں کہ ان کے پاس (جہاد میں) خرچ کرنے کو کچھ نہ تھا۔ [التوبہ:۹۱]

واضح ہو کہ مذکورہ بالا ہر دو آیتیں غزوہ تبوک کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں، لہٰذا یہ انفاق حرب ودفاع کی مد سے متعلق ہے۔

اسلام کے معاشی نظام کو اکتنازِ دولت سے محفوظ رکھنے کی اہم ترین انفاق سے متعلق ان چند آیات پر ہم اکتفا کرتے ہیں، ان آیات کی روشنی میں اس انفاق کے مصارف ومدات کی تشخیص وتحدید حسب ذیل ہے:

مستقل انفاقات

① اہل خانہ! خود، بیوی، نابالغ یا ضرورت مند اولاد، ضرورت مند ماں باپ عبید واماء موجودہ زمانے میں ان کی جگہ نوکر وخادم اہل۔

② کنبہ، ضرورت مند قرابت دار الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے، مجبور ومعذور قرابت دار اہل محلہ! ضرورت مند ہمسایہ قریب، ہمسایہ بعید، شریک حرفہ وکسب معاش۔

③ اہل ملک! یتیم قرابت دار وغیر قرابت دار، مساکین ومحتاجین خواہ سائل ہوں خواہ غیر سائل، ضرورت مند۔

④ اہل حرفہ وشرکاء کار قومی وملکی! مصارف حرب ودفاع ورفاہ عام۔

عارضی انفاقات

غیر مستطیع مسافر، غیر مستطیع مدیون، خسارہ زدہ (دیوالیہ) تاجر وکاروباری۔

نتیجہ بحث

مذکورہ بالا تفصیل سے ظاہر ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا دائرہ پوری قومی زندگی کے (شخصی عائلی، انفرادی، اجتماعی، قومی وملکی) مصارف ومدات پر محیط ہے اگر ملک کے اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ طبقات خصوصاً دولت مندوں کا فاضل سرمایہ (جو عفو کے مصداق ہے) اللہ کے حکم کے مطابق مذکورہ بالا مدات میں برابر خرچ ہوتا ہے تو ملک میں سرمایہ کبھی منجمد ہو ہی نہیں سکتا خواہ ان دولت مندوں کے پاس سرمایہ کتنی ہی فراوانی کے ساتھ کیوں نہ آتا ہے۔ [1]

اسلام دین فطرت ہے اس لئے قرآن حکیم دولت مندوں اور سرمایہ داروں کو اس انفاق پر مجبور کرنے یعنی سرمایہ کو متحرک اور دولت کو دائر وسائر رکھنے میں جبر سے کام لینے کے بجائے اخلاقی قوت سے کام لیتا ہے یعنی حب مال اور ہوس زر اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بخل وامساک (کنجوسی) کو کافرانہ خصلت اور بدترین رذالت قرار دیتا ہے، ارشاد ہے۔

۱: ﴿كلا بل لا تكرمون اليتيم ولا تحاضون على طعام المسكين وتأكلون التراث أكلا لما وتحبون المال حبا جما﴾

[الفجر:۱۸، ۲۰]

ترجمہ: کوئی نہیں بلکہ تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو اور (ایک دوسرے کو) محتاج کو کھانا کھلانے پر برانگیختہ نہیں کرتے اور کھا جاتے ہو میت کا مال سمیٹ سمیٹ کر اور محبت کرتے ہو مال سے جی بھر کر۔

---

[1] آج جو کہنے والوں کے بقول، ملک کا تمام سرمایہ سابقہ حکومت کی سرمایہ دارانہ پالیسی کی وجہ سے بیس خاندانوں کے ہاتھوں میں سمٹ آیا ہے اور ملک کے عوام کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کے فریب میں گرفتار ہو کر روٹی، کپڑا اور مکان کے نعرے لگا رہے ہیں۔ اس منجمد سرمایہ کو پورے ملک میں دائر وسائر کرنے اور گردش میں لانے کی خالق کائنات کی بتلائی ہوئی واحد تدبیر انفاق ہے اگر سرمایہ دار اس خطرناک اژدھا (سرمایہ) کی گرفت سے جو ان کا طوق گردن بنا ہوا ہے آزاد ہونا چاہیں تو قرآن عظیم کے بتلائے ہوئے قومی مصارف میں اپنے فاضل سرمایہ کو خرچ کرنا شروع کردیں اور دنیا اور آخرت دونوں کے عذاب سے نجات حاصل کرلیں ورنہ ان کا وہی حشر ہوگا جو برما کے کروڑ پتیوں اور لاکھ پتیوں کا ہو چکا ہے۔

۲:﴿ویل لکل همزة لمزة الذی جمع مالا وعدّده یحسب أنّ ماله أخلده کلّا لینبذنّ فی الحطمة﴾ [الهمزة:۱تا ٤]

ترجمہ: ہلاکت ہے ہر طعنے دینے والے عیب چینی کرنے والے کے لئے جس نے مال خوب سمیٹا اور گن گن کر رکھا وہ سمجھتا ہے اس کا مال سدا اس کے ساتھ رہے گا ہرگز نہیں وہ ضرور جھونکا جائے گا روندڈالنے والی آگ میں۔

۳:﴿إنّ الإنسان لربّه لکنود وإنّه علی ذلك لشهید وإنّه لحب الخیر لشدید﴾ [العادیات:٦_٧_٨]

ترجمہ: بیشک انسان اپنے پروردگار کے بارے میں بڑا ہی بخیل ہے۔ اور وہ خود ہی اپنے اس فعل پر گواہ ہے اور وہ مال کی محبت میں بہت ہی سخت ہے۔

٤:﴿ولا یحسبنّ الذین یبخلون بما آتاهم الله من فضله هو خیرا لهم بل هو شرّ لهم سیطوّقون ما بخلوا به یوم القیامة﴾ [آل عمران:۱۸۰]

ترجمہ: نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز (کے خرچ کرنے) میں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دی ہے کہ یہ بخل ان کے لئے بہتر ہے بلکہ یہ بخل تو ان کے حق میں بہت ہی برا ہے، طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالا جائے گا وہ مال جس (کے خرچ کرنے) میں انہوں نے بخل کیا ہے۔

بلکہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرہ کے عقیدہ کے تحت دنیوی و اخروی ترغیبات و ترہیبات اور وعدو عید کے ذریعے اس انفاق پر آمادہ کرتا ہے قرآن کریم کا شاید ہی کوئی صفحہ آیات انفاق اور دنیا و آخرت میں اس انفاق کے فوائد و منافع اور بخل و امساک کے دنیوی و اخروی نقصان اور مضرتوں کے ذکر سے خالی ہوگا۔

اس لئے قرآن حکیم زراندوز سرمایہ داروں اور مالداروں سے عام حالات میں زبردستی ان کے اموال چھین لینے اور ملکیت سے محروم کردینے کا حکم نہیں دیتا کہ یہ استحصال بالجبر اور ظلم صریح ہونے کے علاوہ معاشی حیثیت سے ملکی پیداوار میں ترقی کو مسدود کردینے اور قوم کے حوصلے

اور نشاط کار کو تباہ کردینے کے مرادف ہے اور یہ سب سے بڑا معاشی نقصان اور قومی جرم ہے۔

اسلام کے زرین عہد یعنی قرون اولی (عہد صحابہ و تابعین) کی تاریخ شاہد ہے کہ اغنیاء صحابہ و تابعین نے اسی قرآنی حکمت عملی کے تحت برضا و رغبت اور بطیب خاطر مذکورہ بالا تمام انفرادی و اجتماعی عارضی و دائمی قومی مدات و مصارف میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بے حساب اموال خرچ کئے ہیں اور ﴿والله یرزق من یشاء بغیر حساب﴾ کے تحت جیسے بے حساب اللہ نے ان کو دیا ہے ویسے ہی بے حساب انہوں نے خرچ کیا ہے اپنے اوپر بھی اور قوم کے اوپر بھی۔ تاہم چونکہ شح (مال کے خرچ کرنے میں بخل) انسانی فطرت کی ایک ناگزیر کمزوری ہے ،ارشاد ہے:

﴿وأحضرت الأنفس الشّح﴾ [النساء:۱۲۸]

ترجمہ: اور نفوس انسانی میں بخل اور حرص پیوست ہے۔

بجز ان خدا سے ڈرنے والے لوگوں کے جن کو رب العالمین اپنے فضل سے اس کمزوری سے بچالے، ارشاد ہے:

﴿ومن یوق شحّ نفسه فاولئك هم المفلحون﴾ [التغابن:۱٦]

ترجمہ: اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل و حرص سے بچا دیئے گئے وہی ہیں فلاح پانے والے۔

وہ اغنیاء آج بھی اپنے اسلاف کی طرح کشادہ دل اور کشادہ دست موجود ہیں اور انہی کی فراخ دستی کے نتیجہ میں پاکستان واحد ملک ہے جس میں حکومت کے اثر سے آزاد بیشمار تعلیمی اور رفاہی ادارے چل رہے ہیں، مگر عام طور پر ملک کا سرمایہ دار اور مالدار طبقہ قرآن وحدیث کی تعلیمات سے بے بہرہ اور ناواقف ہونے کی وجہ سے رب العالمین کے اس فضل سے محروم ہے۔

یہ ایک جملہ معترضہ تھا بہرحال شح انسان کی ایک فطری کمزوری ہے جو انفاق فی سبیل اللہ کی راہ میں حائل ہوکر سدراہ بن جاتی ہے اس لئے قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں آئمہ مجتہدین اور فقہاء کرام نے انفاق کی حسب ذیل مدات میں اسلامی حکومت کو اختیار دیا ہے کہ وہ اغنیاء اور مالی استطاعت رکھنے والے لوگوں کو خرچ کرنے پر مجبور کرسکتی ہے:

① بیوی کا نفقہ شوہر کی مالی استطاعت کے معیار پر۔

② نابالغ اولاد کا نفقہ۔

③ ضرورت مند والدین کا نفقہ۔

④ معذور قرابت داروں کا نفقہ۔

⑤ مصارف حرب و دفاع و امور رفاہ عام، اگر حکومت کے خزانے (بیت المال) میں ان اخراجات کے لئے بقدر ضرورت مال نہ ہو۔

⑥ وہ ہنگامی حالات جن میں اسباب سماوی کی وجہ سے یا سرمایہ داروں کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے ملک معاشی بحران میں گرفتار ہو گیا ہو یعنی ملک کا تمام تر سرمایہ اور وسائل دولت چند افراد یا خاندانوں کے ہاتھوں میں سمٹ آئے ہوں اور اکتناز زر اور انجماد دولت کی صورت پیدا ہو گئی ہو۔

کن کن صورتوں میں اسلامی حکومت دولت مندوں کے فاضل اموال پر جبراً قبضہ کرسکتی ہے؟

① غیر مشروع اور ناجائز ذرائع مثلاً رشوت، سود قمار، سٹہ، بیمہ وغیرہ حرام ذرائع سے حاصل کردہ اموال کو اسلامی حکومت بحق بیت المال ضبط کر کے ملک کے پس ماندہ اور غریب طبقہ پر اور مصالح عامہ (قومی وملکی ضروریات ومصارف) میں صرف کرسکتی ہے۔

② قحط سالی کے زمانہ میں جبکہ قوم کی غالب اکثریت غذا، لباس اور مسکن جیسی بنیادی ضروریات سے محروم ہو اور بیت المال ان کی ضروریات پوری کرنے سے عاجز ہو اور اغنیاء ان پر فاضل دولت صرف نہ کرتے ہوں تو اسلامی حکومت ان کے ''فاضل اموال'' ضبط کر کے ملک کے فقر وافلاس کو دور کرسکتی ہے۔

③ مصنوعی قحط سالی کے وقت یعنی جبکہ قوم کے مالدار طبقہ نے گراں فروشی کی غرض سے ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی کر کے قحط پیدا کر دیا ہو تو اسلامی حکومت ان ذخائر کو مناسب

عوض دیکر ضبط کرسکتی ہے۔ اور مناسب قیمت پر عوام کے ہاتھ فروخت کرسکتی ہے اور جو تہیدست طبقہ قیمت ادا کرنے سے قاصر ہو اس کو بقدر ضرورت مفت تقسیم کرسکتی ہے۔

یہ اسلامی شریعت کے وہ احکام ہیں جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اور ان کے دلائل کتب فقہ میں مذکور ہیں مراجعت کیجئے۔

تنبیہ: اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اس کا یہ اقدام مذکورہ بالا دولت مند طبقہ کے ظلم وجور یعنی اکتناز زر اور انجماد دولت کو مٹانے اور معاشی اعتدال قائم کرنے کی حد تک محدود ہو۔۔۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ یہ دولت مند طبقہ خود حسب حیثیت حوائج اصلیہ سے محروم اور ظلم کا شکار ہو جائے بالفاظ دیگر یہ اقدام صرف ان فاضل اموال تک محدود ہو جو عفو کا مصداق ہوں۔

مذکورہ بالا شرعی احکامات پر (جو درحقیقت انفاق فی سبیل اللہ کے تحت داخل ہیں) عمل کرنے سے ملک کا موجودہ معاشی بحران ختم کیا جاسکتا ہے۔

انفاق کے بارے میں سد راہ ذہنیت اور اس کی حقیقت

کسی بھی مالدار دولت مند کے لئے اپنی دولت کو خصوصاً وہ دولت جو اس نے انتہائی محنت اور جانفشانی کے بعد جائز اور حلال طریقوں سے کمائی ہو انفاق فی سبیل اللہ، اللہ کی مدات میں خرچ کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ کافرانہ ذہنیت اور انانیت ہے کہ یہ تو ''میرا'' مال ہے، میں نے اپنے زور بازو سے اور اپنی قابلیت سے کمایا ہے مجھے اختیار ہے چاہے میں اسے خرچ کروں یا نہ کروں اور جہاں چاہوں جس طرح چاہوں خرچ کروں، یہی وہ کافرانہ انانیت کا نعرہ ہے جو نوع انسانی کے سب سے بڑے مالدار اور دولت مند یعنی قارون کی زبان سے بلند ہوا اور ان خدا پرستوں کے جواب میں جنہوں نے اس کو اس فرعونیت سے باز آنے کی نصیحت کی اور بتلایا کہ یہ مال و دولت جس پر تو اترا رہا ہے تیرا نہیں خدا کا ہے اس نے تجھے دیا ہے ذرا سوچ یہ کس کا ہے؟ اور تیرا حصہ اس میں کتنا ہے؟ اپنی ملکیت اور ہنرمندی کی ڈینگیں مت مار، چنانچہ قرآن اس قصہ کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿إذ قال له قومه لا تفرح إنّ الله لا يحبّ الفرحين وابتغ فيما

آتاك الله الدار الآخرة ولا تنس نصيبك من الدنيا وأحسن كما أحسن الله إليك ولا تبغ الفساد فى الأرض إنّ الله لا يحبّ المفسدين﴾ [القصص:۷۶، ۷۷]

ترجمہ: جب کہا اس (قارون) سے اس کی قوم نے تو (اپنی دولت پر) مت اترا، اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو دولت تجھے خدا نے دی ہے اس سے (فلاح) آخرت کی جستجو کر اور (اس میں) جو تیرا دنیا کا حصہ ہے اس کو فراموش مت کر اور تو (مخلوق کے ساتھ) بھلائی کر جیسے اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے اور (اس دولت سے) زمین میں (معاشی) فساد برپا کرنے کی کوشش مت کرو، اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تو وہ خدا فراموش دولت کے نشہ میں مخمور قارون جواب دیتا ہے:

﴿إنّما أوتيته على علم عندى﴾ [القصص:۷۸]

ترجمہ: اس کے سوا نہیں کہ یہ دولت تو مجھے میرے ہنر سے ملی ہے جو میرے پاس ہے، (میری اپنی کمائی ہے مجھے کسی نے دی دلائی نہیں)

اس کا انجام کیا ہو، سنئے اور عبرت حاصل کیجئے۔ ارشاد ہے:

﴿فخسفنا به وبداره الارض﴾ [القصص:۸۱]

ترجمہ: پس ہم نے دھنسا دیا اس کو اور اس کے گھر کو (تمام مال و دولت سمیت) زمین میں۔

قارون کے گھر میں دولت کتنی تھی جو چشم زدن میں اس کے ساتھ دفن ہوگئی، ارشاد ہے:

﴿وآتيناه من الكنوزما إنّ مفاتحه لتنوء بالعصبة اولى القوة﴾ [القصص:۷۶]

ترجمہ: اور ہم نے اس (قارون) کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں بھی ایک زور آور جماعت سے بمشکل اُٹھتی تھیں۔

اسی طرح جب شعیب علیہ السلام نے اپنی تاجر قوم کو کم تولنے اور کم ناپنے یعنی خرید و فروخت میں خیانت اور دھوکہ دہی سے منع کیا تو ان شیطانوں نے بھی ازراہ تمسخر شعیب علیہ السلام

کو یہی جواب دیا قرآن حکیم ان کا جواب نقل کرتا ہے:

﴿يا شعيب أصلوٰتك تأمرك أن نترك ما يعبد آباء نا أو أن نفعل فى أموالنا ما نشاء﴾ [هود:۸۷]

ترجمہ: اے شعیب کیا تمہاری نماز تم سے کہتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا اپنے اموال میں جو تصرف کرنا چاہتے ہیں اس کو چھوڑ دیں

اور اسی انانیت کے تحت فرعون جس نے زرخیز ملک مصر کی ملکیت کی بنیاد پر خدائی کا دعویٰ کیا تھا وہ کہتا ہے:

﴿أليس لى ملك مصر وهٰذه الأنهار تجرى من تحتى﴾ [الزخرف:۵۱]

ترجمہ: کیا میرا نہیں ہے ملک مصر اور یہ دریا جو میرے اقتدار کے تحت بہہ رہے ہیں۔ دولت کا یہی نشہ ہے جو اچھے بھلے انسان کو عقل و خرد سے بیگانہ اور شیطان کی طرح سرکش بنا دیتا ہے۔ خالق کائنات مالک الملک پروردگار دولت کے اس تباہ کن فتنہ سے ناعاقبت اندیش انسان کو بڑی تاکید کے ساتھ ہوشیار فرماتا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿كلّا إنّ الإنسان ليطغى أن رأه استغنىٰ﴾ [العلق: ۶-۷]

ترجمہ: کوئی نہیں بیشک انسان سرکش بن جاتا ہے یہ سمجھ کر کہ وہ (اب سب سے) مستغنی ہوگیا۔

اللہ جل جلالہ اپنی اس ظلوم وجہول مخلوق انسان کی کوتاہ فہمی ناعاقبت اندیشی کو اس آیت کریمہ میں کس خوبی سے ظاہر فرماتے ہیں کہ یہ ناعاقبت اندیش انسان محض اس غلط فہمی کی بنا پر کہ اب تو میں غنی ہوگیا اس دولت کے عطا فرمانے والے منعم حقیقی سے سرکشی اور سرتابی پر اتر آتا ہے حالانکہ قہر الٰہی کا ایک تھپیڑا چشم زدن میں اس کو اور اس کے تمام سامان نخوت کو اسی طرح تباہ کر ڈالتا ہے جیسے قارون کو اس کے خزانوں سمیت چشم زدن میں زمین کے اندر دھنسا دیا یا فرعون اور اس کی پوری قوم کو اسی مصر کے دریا میں غرق کر دیا جس پر اسے ناز تھا اور اس زرخیز ملک مصر کا مالک صدیوں کی مظلوم و مجبور قوم بنی اسرائیل کو بنا دیا یا شعیب علیہ السلام کی خیانت کار سرمایہ پرست

قوم کو ذرا کی ذرا دیر میں عذاب آسمانی سے نیست ونابود کرڈالا۔

آج بھی صدہا واقعات اس قسم کے مشاہدہ میں آتے ہیں، برما میں دفعتاً کیمونسٹ حکومت برسر اقتدار آئی اور ملک کے تمام لکھ پتی اور کروڑ پتی سرمایہ داروں کے تمام اموال واملاک پر قبضہ کرلیا اور ان تمام سیٹھوں اور مہاجنوں کو گرفتار کرکے جب تک ایک ایک پیسہ نہ اگلوالیا اس وقت تک نہیں چھوڑا اور اب تو یہ ایک عام رسم ہوگئی ہے کہ جس ملک میں سرمایہ داروں کی چیرہ دستیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں فوراً وہاں انقلاب آتا ہے اور کیمونسٹ وسوشلسٹ قسم کی جابر حکومتیں برسر اقتدار آتی ہیں اور سب سے پہلے چوٹی کے سرمایہ کاروں کی املاک پر فیکٹریوں پر، ملوں پر بینکوں پر اور تمام بڑی بڑی صنعتوں اور جاگیروں پر قومیانے کے پرفریب نام سے قبضہ کرلیتی ہیں اور بڑا احسان ان پر یہ کرتی ہیں کہ بیک بینی ودوگوش خالی ہاتھ ملک سے باہر جانے کی اجازت دیدیتی ہیں۔

اس قسم کے صدہا واقعات ومشاہدات ملک کے لکھ پتی سرمایہ داروں اور ان کی پشت پناہی کرنے والے حکمرانوں اور ان کے زیر سایہ، بینکاری اور بیمہ کاری وغیرہ حرام ذرائع سے پروان چڑھنے والے سرمایہ داروں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہونے چاہییں۔ اور انہیں عہد کرلینا چاہئے کہ اللہ نے جو یہ مال ودولت ہمیں دی ہے ہم اس کو اپنی تجوریاں بھرنے اور بینک بیلنس بڑھاتے رہنے کی بجائے جس فراوانی سے اللہ نے دیا ہے اسی فراوانی سے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے رہیں گے تاکہ کسی آفت کے وقت یہ دولت ہماری جان لیوا نہ بنے نہ ہوگی نہ کوئی چھینے گا۔

بہرصورت خالق کائنات اس انانیت (میرا، میرا) کی شیطانی ذہنیت اور بے حقیقت زعم کی بیخ کنی اس طرح فرماتا ہے کہ جہاں بھی انفاق کا حکم دیتا ہے مما رزقنا (جو ہم نے عطا کیا) کی تصریح ساتھ فرمادیتا ہے۔ یعنی کیسا میرا یہ تو ہم نے دیا ہے ہم ہی خرچ کرا رہے ہیں تم تو جس دن دنیا میں آئے تھے خالی ہاتھ آئے تھے چنانچہ قرآن شریف پڑھیئے انفاق سے متعلق ہر آیت میں ﴿أنفقوا مما رزقنكم﴾ جو ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ

کرو) یا ﴿ومما رزقنا هم ينفقون﴾ (جو ہم نے عطا کیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں) یا اسی کے ہم معنی الفاظ ملیں گے۔

باقی رہا یہ شیطانی وسوسہ کہ یہ مال ودولت تو ہماری محنت ومشقت، کاروباری تجربہ اور مہارت اور وسائل وذرائع معاش اختیار کرنے سے ہمیں ملا ہے لہٰذا ہم اس کے مالک اور اس میں تصرف کے بارے میں مختار ہیں۔ جیسا کہ قارون نے کہا تھا، ﴿إنّما أوتيته على علم عندي﴾ قرآن حکیم اس وسوسہ کی تردید اس طرح فرماتا ہے کہ وسائل معاش کو بیشک تم نے اختیار کیا ہے محنت بیشک تم نے کی ہے مشقت بیشک تم نے اُٹھائی ہے مگر ان وسائل واسباب پر نتائج وثمرات ہم نے مرتب کئے ہیں تمہاری محنت ومشقت کو بار آور ہم نے کیا ہے تم لاکھ کوشش کرلو تمام تر اسباب ووسائل جمع کرلو اگر ہم نہ چاہیں اور ہمارا حکم نہ ہو تو ان تمام اسباب ووسائل پر نتائج وثمرات ہرگز مرتب نہیں ہوسکتے تمہاری کوششیں ہرگز بار آور نہیں ہوسکتیں چنانچہ وسائل واسباب کو ہی موثر اور کارفرما سمجھنے والے خرد باختہ انسانوں کی تنبیہ کے لئے ارشاد ہے:

﴿أفرأيتم ما تحرثون أ أنتم تزرعونه أم نحن الزارعون لو نشاء لجعلناه حطاما فظلتم تفكّهون إنّا لمغرمون بل نحن محرومون أفرأيتم الماء الذى تشربون أ أنتم أنزلتموه من المزن أم نحن المنزلون لو نشاء جعلناه أجاجا فلو لا تشكرون﴾ [الواقعہ:٦٣۔٧٠]

ترجمہ: ذرا بتلاؤ تو: جو تم بوتے ہو کیا تم اس کو اُگانے والے ہو یا ہم ہیں اس کے اگانے والے؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو (ذرا دیر میں) روندا ہوا گھانس پھونس بناڈالیں۔ پھر تم دن بھر باتیں بناتے پھرو، ہم تو یقیناً خسارہ میں پڑ گئے بلکہ ہم تو بالکل ہی محروم ہوگئے ذرا بتلاؤ تو جو پانی تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو بادلوں سے اُتارا ہے یا ہم ہیں اس کے اتارنیوالے؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو (سمندر کے پانی کی طرح) کھارا بنادیں (کہ جس کو نہ پی سکو نہ اس سے کھانا پکا سکو) پھر (جب سب کچھ ہم نے دیا ہے) تو تم ہمارا شکر کیوں ادا نہیں کرتے۔

اسباب ووسائل کے بھروسے پر قہر الٰہی سے بے پرواہ ہوجانے والے سرکش انسانوں

سے خطاب ہے:

۱: ﴿أمّن هٰذا الذی یرزقكم إن أمسك رزقه بل لجّوا فی عتوّ و نفور﴾ [الملك:۲۱]

ترجمہ: بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ (اللہ) اپنا رزق روک لے (روزی دینا بند کردے) بلکہ وہ (کفار) توسرکشی اور (پروردگار سے) فرار پر اڑے ہوئے ہیں۔

۲: ﴿أرأیتم إن أصبح ماءكم غورا فمن یأتیكم بماء معین﴾ [الملك : ۳۰]

ترجمہ: ذرا بتلاؤ تو اگر تمہارا (سارا) پانی خشک ہوجائے (اور زمین کی سوتیں بند ہوجائیں) توکون ہے جو تمہارے لئے خوشگوار شیرین پانی لائے۔

سمجھنے اور ماننے والوں کے لئے ارشاد ہے:

﴿فلینظر الإنسان إلی طعامه أنّا صببنا الماء صبّا ثمّ شققنا الأرض شقّا فأنبتنا فیها حبّا وعنبا وقضبا وز یتونا و نخلا وحدائق غلبا وفاكهة وأبّا متاعا لكم ولأنعامكم﴾

[عبس: ۲۴ ـ ۳۲]

ترجمہ: انسان کو اپنے کھانے پر غور کرنا چاہئے (کہ وہ کس نے دیا ہے) ہم ہی نے مناسب مقدار میں پانی ڈالا (برسایا) پھر زمین کو (دانہ پھوٹ کر نکلنے کے لئے) مناسب طریق پر پھاڑا پس اگایا ہم نے غلہ انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجوریں، اور گنجان باغات اور پھل اور چارہ تمہارے اور تمھارے مویشیوں کا سامان زندگی (غذا اور چارہ) بنانے کے لئے۔

درحقیقت یہ سب کچھ مال ومتاع کس کا ہے؟ سنیے!

﴿لله ما فی السموٰات وما فی الأرض﴾ [البقرة: ۲۸۴]

ترجمہ: اللہ کا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے۔

آخر میں کس کا ہوگا؟

﴿ولله میراث السموٰات والأرض﴾ [آل عمران: ۱۸۰]

ترجمہ: اور اللہ ہی وارث ہے آسمان کا اور زمین کا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿و إنّا لنحن نحی ونمیت ونحن الوارثون﴾ [الحجر: ۲۳]

ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی ہیں جلانے والے اور مارنے والے اور ہم ہی ہیں (سب کے) وارث۔

قرآن حکیم جگہ جگہ مختلف عنوانات سے تصریح کررہا ہے کہ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے سب اللہ نے دیا ہے اور خرچ کرنے کے لئے دیا ہے اگر تم نے خرچ کرنے کے بجائے زراندوزی کی تو یہ خیانت ہوگی اور تم خائن ومجرم اور مستحق عقوبت ہوگے۔

ہاں خرچ کرنے میں اعتدال بیحد ضروری ہے عباد الرحمٰن کی صفات کے ذیل میں ارشاد ہے:

﴿والذین إذا أنفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وكان بین ذلك قواما﴾ [الفرقان: ٦٧]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو خرچ میں نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل اور کنجوسی اور وہ خرچ اس (فضول خرچی اور کنجوسی) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

بے اعتدالی یعنی انفاق میں بخل وامساک یا اسراف وتبذیر کا نتیجہ بد یہ ہوگا:

﴿ولا تجعل یدك مغلولة إلی عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا﴾ [الإسراء: ۲۹]

ترجمہ: اور مت بنا اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا اور نہ اس کو بالکل ہی کھول دے پس تو بیٹھ رہے گا قابل ملامت بن کر مجبور ولاچار ہوکر۔

یہ ہے قرآن حکیم کا حکم ''انفاق'' اور اس کی تفصیلات، مزید اطمینان کے لئے قرآن کریم میں اس کے ترجمہ کو غور وفکر کے ساتھ پڑھیے۔

انفاق کی دو اہم ترین صورتیں

وصیت اور وقف

وصیت

وصیت بھی انفاق کی ایک خاص صورت ہے جس میں ارباب اموال مرض الموت میں اپنے مرنے کے بعد اپنی صواب دید اور خواہش کے مطابق مخصوص افراد یا مخصوص وجوہ خیر (رفاہ عامہ کے کاموں) کو انفاق مال کا زیادہ مستحق یا زیادہ صحیح مصرف جان کر اپنا مال یا اس کا کچھ حصہ ان کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں۔

چونکہ ارباب اموال کے اس اقدام سے احکم الحاکمین کا تجویز کردہ نظام توریث متاثر ہوتا ہے اس لئے صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نفاذ وصیت کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط فرمایا۔

① جو شخص وارث بننے والا ہے اس کے لئے وصیت نہیں کی جاسکتی، رسول اللہ ﷺ خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرماتے ہیں:

"إنّ الله قد أعطىٰ كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث"[1]

ترجمہ: بے شک اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا پس وارث کے لئے وصیت (جائز) نہیں۔

اس کی حکمت بھی ظاہر ہے کہ ورثاء کو تو رب العالمین اپنے عادلانہ معاشی نظام کو قائم رکھنے کے لئے اپنے علم وحکمت کے مطابق تمہارے متروکہ اموال واملاک میں سے حصہ دے ہی رہے ہیں اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

﴿اباء كم وأبناء كم لا تدرون أيّهم أقرب لكم نفعا﴾[النساء:١١]

(۱) ترمذی:۳۲/ ۲، أبواب الصلاة، باب ما جاء لا وصية لوارث.

ترجمہ: تمہارے باپ اور بیٹے تم نہیں جانتے کہ نفع رسانی کے لحاظ سے ان میں سے کون تم سے زیادہ قریب ہے۔

لہٰذا تم ان کو مزید مال دے کر مالدار کو اور زیادہ مالدار مت بناؤ کہ اس سے معاشی توازن کے تباہ ہونے کا خطرہ ہے ہاں ان کے علاوہ اور ضرورت مند افراد یا وجوہ خیر میں صرف کر کے اپنے جذبۂ بر واحسان کو تسکین دے سکتے ہو اور رضاء الٰہی حاصل کر سکتے ہو۔

② کل متروکہ اموال واملاک کی ایک تہائی حصہ سے زیادہ کی وصیت نہیں کی جاسکتی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے کل مال کی وصیت کرنی چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ اور زیادہ سے زیادہ ایک ثلث (ایک تہائی حصہ) میں وصیت کرنے کی اجازت دی اور فرمایا: "والثلث كثير"

ترجمہ: اور تہائی مال بھی بہت ہے۔

اور ساتھ ہی اس کی حکمت بھی بیان فرمائی:

"إنك إن تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذر هم عالة يتكففون الناس"[1]

ترجمہ: بے شک تم اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ جاؤ یہ بہتر ہے بمقابلہ اس کے کہ تم ان کو مفلس اور محتاج چھوڑو کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

وصیت کے متعلق یہ دونوں شرطیں اس غرض سے عائد کی گئی ہیں کہ نظام توریث وصیت سے زیادہ متاثر نہ ہونے پائے اور صاحب مال کے جذبہ بر واحسان کا احترام بھی کیا جاسکے۔ باقی نفس وصیت کی اہمیت اور اظہار پسندیدگی کا تو یہ عالم ہے کہ قرآن کریم میں آیات مواریث کے ذیل میں بار بار اس فقرہ کا اعادہ کیا گیا ہے:

﴿من بعد وصيّة توصون بها أودين﴾ [النساء:١٢]

ترجمہ: جو وصیت تم نے کی ہو اس وصیت یا قرض کو ادا کرنے کے بعد (میراث

(۱) بخاری:۳۸۳/ ۱، کتاب الوصایا، باب ان یترك ورثة اغنياء خير من ان يتكففوا الناس، ط: قديمي كراچی. مسلم:۳۹/ ۲، کتاب الوصية، ط: قديمی کراچی.

جاری ہوگی)۔

حالانکہ میت کے مال میں سے سب سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم ہے مگر اس کے باوجود نہ صرف وصیت کا پہلے ذکر فرمایا بلکہ "توصون بھا" کا بھی اضافہ فرمایا ہے اسی لئے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"ما حق امرء مسلم له شئي يوصى فيه يبيت ليلتين إلّا و وصيته مكتوبة عنده"[1]

ترجمہ: ایک مسلمان آدمی کے لئے جس کے پاس کوئی چیز ہو جس کی وہ وصیت کرنا چاہتا ہو زیب نہیں دیتا کہ وہ وصیت کو لکھے بغیر ایک دو رات بھی بسر کرے۔

وقف

وقف بھی انفاق ہی کی ایک خاص صورت ہے۔ جس میں ارباب اموال جذبۂ بر واحسان کے تحت بحالت صحت واحتیاج مال کے اپنے فاضل اموال واملاک کے کسی خاص حصہ کی یا کل اموال واملاک کی آمدنی کو وجوہ خیر میں سے کسی بھی کار خیر کے لئے ہمیشہ کے لئے وقف کر دیتا ہے تاکہ صدقہ جاریہ کے طور پر اس کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ اس کو ملتا رہے یعنی خلق خدا اس سے منتفع ہوتی رہے۔

وقف اور وصیت انفاق فی سبیل اللہ کی ایک ایسی دو اہم ترین صورتیں ہیں جو مسلمان اغنیاء کے پاکیزہ جذبہ بر واحسان اور خدمت خلق کا عظیم ترمظہر اور معاشی اعتدال کو استوار رکھنے کا زبردست وسیلہ ہیں، اسی لئے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"الخلق عيال الله فأبرهم إلى الله أبرهم بعياله"

ترجمہ: مخلوق اللہ کی عیال ہے اللہ کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والا وہ شخص ہے جو اس کی عیال کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

---

(1) بخاری: ۳۸۲/ ۱، ط: قدیمی کراچی. مسلم :۳۹/ ۲، کتاب الوصیۃ، ط: قدیمی کتب خانہ کراچی

معاشی بحران اور اس کے رفع کرنے کی تدابیر

جس طرح عبادات بدنیہ میں صلاۃ دین کا اہم ترین ستون اور رُکن ہے اسی طرح عبادات مالیہ میں دین کا اہم ترین رُکن اور فریضہ زکوٰۃ ہے۔

درحقیقت اللہ رب العالمین نے دو عظیم نعمتیں انسان کو عطا فرمائی ہیں ایک جان دوسری مال، جان کا شکر نعمت عبادات بدنیہ ہیں جن میں سرفہرست نماز ہے، ناطق بالصواب خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ممالک اسلامیہ کے تمام عمال حکومت کے نام ایک گشتی فرمان جاری فرمایا تھا جس میں تحریر تھا:

"إنّ أهمّ أموركم عندي الصلاة من حفظها وحافظ عليها فهو حفظ دينه ومن ضيّعها فهو لما سواها أضيع" [مشكوة:٥٩]

ترجمہ: بیشک تمہارے دین کے کاموں میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے جس شخص نے اس کی حفاظت کرلی وہ اور کاموں کی حفاظت بدرجہ اولی کرلے گا اور جس شخص نے نماز کو ضائع کردیا وہ اور کاموں کو بدرجہ اولیٰ ضائع کردے گا۔

اور مال کا شکر نعمت عبادات مالیہ ہیں جن میں سرفہرست زکوٰۃ ہے، سرخیل صدیقین خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مانعین زکوٰۃ (زکوٰۃ ادا کرنے نہ کرنے والوں) کے متعلق فرمایا تھا:

"والله لأقاتلنّ من فرّق بين الصلاة والزّكوٰة فإنّ الزّكوٰة حقّ المال"[1]

ترجمہ: خدا کی قسم میں اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا (نماز ادا کی زکوٰۃ نہیں دی) اس لیے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے (جیسے کہ نماز جان کا حق ہے۔)

---

(1) صحیح مسلم: ۳۷/ ۱، باب الدعاء الی الشهادتین وشرائع الاسلام.

بہر صورت اگر چہ زکوٰۃ بھی انفاق فی سبیل اللہ کے تحت داخل اور انفاق کا وہ ادنیٰ مرتبہ ہے جس کے ادا کرنے کے بعد انسان کا جمع کردہ مال کنز کا مصداق نہیں رہتا تاہم متعدد وجوہ سے زکوٰۃ عام انفاقات سے مختلف ہے:

① وجوب زکوٰۃ کے لئے ہر صنف مال کی ایک حد مقرر ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں نصاب کہا جاتا ہے۔ اس مقدار مال کا حاجات اصلیہ سے فاضل اور فارغ ہونا وجوب زکوٰۃ کے لئے شرط ہے، انفاق میں یہ شرط نہیں ہے۔

② اسی طرح ہر مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان کی انواع واصناف شریعت نے مقرر فرمادی ہے جن کو فقہ کی اصطلاح میں اموال نامیہ (نمو پذیر مال) کہتے ہیں اور چونکہ مدار وجوب زکوٰۃ ''نمو'' پر بڑھنے یا بڑھنے کی صلاحیت رکھنے پر ہے اس لئے صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حولان حول یعنی مال نامی پر سال گذر جانے کو شرط قرار دیا ہے۔ اسی لئے زکوٰۃ صرف مقررہ اموال نامیہ پر سال گذر جانے کے بعد سال بہ سال واجب ہوتی ہے، انفاق میں اس قسم کوئی شرط نہیں ہے زکوٰۃ میں یہ تمام تحدیدات صرف اس لئے ہیں کہ زکوٰۃ ایک ایسا مالی فرض ہے کہ اگر کوئی صاحب نصاب مالدار سال گذرنے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اسلامی حکومت اس کو زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور کرسکتی ہے اور اگر کوئی قوم زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرے تو مسلمانوں پر اس قوم سے جنگ کرنا فرض ہے اس لحاظ سے بھی زکوٰۃ عام ''انفاق فی سبیل اللہ سے مختلف اور جدا ہے۔

اسی لئے قرآن حکیم نے بھی زکوٰۃ کے متعلق جابجا ''وآتی الزکوٰۃ'' اور زکوٰۃ ادا کی اور ''و یؤتون الزکوٰۃ'' اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ لفظ ''ایتاء'' سے مشتق صیغے (الفاظ) استعمال کئے ہیں اور ''انفاق'' کے متعلق عموماً ''انفق'' خرچ کیا کے اور ''ینفقون'' خرچ کرتے ہیں۔ اور اسی قسم کے انفاق سے نکلے ہوئے الفاظ استعمال کئے ہیں گویا زکوٰۃ تو ایک فرض ہے جس کو مسلمان ادا کرتا ہے اور انفاق انسان کا ایک خرچ ہے اور انسان مال کماتا ہی ہے خرچ کرنے کے لئے۔

مناسب ہوگا اگر ہم زکوٰۃ کے قومی معیشت اور اسلام کے معاشی نظام میں اہمیت و افادیت کو ظاہر کرنے کی غرض سے جن اموال میں جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اجمالاً ان کا تذکرہ کردیں تفصیلی احکام زکوٰۃ تو کتب فقہ سے ہی معلوم ہوسکتے ہیں۔

اموال نامیہ

① اموال تجارت خواہ کسی بھی چیز کی تجارت ہو حتیٰ کہ کسی خاص قسم کی مٹی پتھروں کی ہی تجارت کیوں نہ ہو، اگر سال گزرنے پر ضروری اخراجات نکال کر بقدر نصاب یعنی دوسو درہم (تقریباً ۵۲ تولے) چاندی کی مالیت کا خالص منافعہ بچتا ہے تو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

② سونا چاندی خواہ اپنی اصلی حالت پر ہوں خواہ زر مسکوک یعنی سکہ کی صورت میں خواہ زیورات وظروف وغیرہ کی شکل میں ہوں اگر بقدر نصاب موجود ہوں یعنی سونا ساڑھے سات تولہ چاندی ساڑھے باون تولہ یا اس سے زائد ہو تو سال گزرنے پر ان پر بھی چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

③ زمین کی پیداوار غلہ، پھل، ترکاریاں وغیرہ ہر وہ چیز جس کی کاشت کی جائے تھوڑی یا بہت اگر بارانی زمین کی پیداوار ہو تو اس کا دسواں حصہ (عشر) اور اگر نہری یا چاہی زمین کی پیداوار ہو تو اس کا چالیسواں حصہ (نصف عشر) زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

④ اموال سائمہ یعنی افزائش نسل کی غرض سے پالے ہوئے خودرو جنگل میں چرنے والے مویشی، اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری وغیرہ۔ سال گزرنے پر ہر قسم کے جانور سے اس کے نصاب کے مطابق مقررہ مقدار میں زکوٰۃ لی جائے گی۔ تفصیل کتب فقہ سے معلوم کیجئے۔ یہی مویشی اگر افزائش نسل کے بجائے ان کی یا ان کے منافع، دودھ اون وغیرہ کی تجارت کی غرض سے پالے ہوں تو اموال تجارت میں محسوب ہوں گے، صدقات واجبہ یعنی کفارہ صوم، کفارہ یمین، کفارہ ظہار، کفارہ قتل خطا، جنایات حج وعمرہ واحرام یا نذور یعنی مالی منتیں جو بھی مانی جائیں، صدقہ فطر قربانی یہ تمام صدقات بھی زکوٰۃ کے تحت داخل ہیں اور ان کا ادا کرنا بھی واجب ہے۔

زکوٰۃ اور انفاق اس لحاظ سے بھی دو مختلف اور الگ چیزیں ہیں کہ زکوٰۃ کے مصارف مخصوص اور متعین ہیں ان کے علاوہ اور کسی بھی قومی مصرف یا کارِ خیر میں زکوٰۃ نہیں صرف کی جاسکتی۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿إنّما الصّدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها و المؤلّفة قلوبهم و فى الرقاب و الغارمين و فى سبيل الله و ابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم﴾

[التوبہ:٦٠]

ترجمہ: اس کے سوا نہیں کہ صدقات تو صرف محتاجوں، فقیروں اور زکوٰۃ (کی وصولی) کے عاملوں کے لئے ہے اور ان لوگوں کے لئے جن کی تالیف قلب کی جاتی ہے اور گردنوں کو آزاد کرانے کے لئے (اجتماعی) تاوان اپنے ذمہ لینے والوں کے لئے اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں) کے لئے ہے، یہ اللہ کی جانب سے بندوں پر فرض ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

دیکھئے ان مصارف ثمانیہ زکوٰۃ وصدقات کے آٹھ مصرف اور مصارف انفاق ہیں جن کا بیان آپ پڑھ چکے ہیں فقیر، مسکین، مسافر، غازی اور مدیون تو مشترک ہیں، باقی مختلف ہیں چنانچہ بیوی کو، نابالغ اولاد کو، ماں باپ کو غلاموں کنیزوں کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، علاوہ ازیں ان مصارف ثمانیہ میں بھی عاملین یعنی محصلین زکوٰۃ کے علاوہ بقیہ مستحقین زکوٰۃ میں اصل وصف موثر فقر واحتیاج ہیں چنانچہ مذکورہ بالا اصناف میں سے کوئی بھی صنف مثلاً مسافر، غازی اور مدیون اگر غنی ہوں تو ان کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی اسی لئے نبی علیہ الصلاۃ والسلام تصریح فرماتے ہیں:

"ان الله قد فرض عليهم زكوٰة اموالهم تؤخذ من أغنياءهم وترد الى فقراء هم"[1]

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مالوں کی زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے

(۱) بخاری:۲۰۲-۱، کتاب الزكوٰة، باب اخذ الصدقة من الاغنياء وترد فى الفقراء، ط: قديمى

مالداروں سے لی جائے گی اور انہی کے فقیروں محتاجوں پر صرف کردی جائے گی۔

اس فرمان نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کی اصل روح تو یہ ہے کہ ہر قوم اور ہر خطہ کا دولت مند طبقہ جس طرح اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کرنے کا کفیل ہے اسی طرح وہ اپنی قوم اور خطہ کے فقراء مساکین کی ضروریات پوری کرنے کا بھی ذمہ دار ہے، اسی غرض سے اس پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے دوسرے لفظوں میں ان کے اموال میں صرف انکا اور ان کے بیوی بچوں ہی کا حق نہیں ہے بلکہ اس قوم کے یا گردوپیش کے جتنے فقراء اور محتاجین ہیں ان کا بھی حق ہے چنانچہ آیت کریمہ: ﴿وفى أموالهم حقّ للسائل والمحروم﴾ میں اس حق کی تصریح فرمادی ہے، اسی طرح حدیث "إنّ فى المال لحقا سوى الزكوٰة" سے بھی واضح ہے کہ ایک مسلمان دولت مند کے مال میں زکوٰۃ مفروضہ کے علاوہ بھی حقوق ہیں اور ان اصحاب حقوق میں فقراء ومساکین سب سے پہلے مستحق ہیں۔

بہرحال اتنا تو اس حدیث سے قطعاً واضح ہے کہ ہر قوم اور ہر خطہ کے فقراء ومساکین کی ضرورت واحتیاج اس قوم یا خطہ کے اغنیاء کی زکوٰۃ سے پہلے پوری کی جائے گی، اگر اس سے بچے تو دوسری قوم یا دوسرے خطہ کے فقراء کو دی جاسکتی ہے، گویا قرابت داروں اور ہم سایوں کی طرح فقراء ومساکین میں بھی الاقرب فالاقرب کا اصول ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

بنیادی طور پر قومی معیشت میں ذرائع ووسائل آمدنی تین ہیں:

① زراعت ② صنعت ③ تجارت

جن کا ملک کے تین طبقوں سے تعلق ہے:

① کاشتکار ② صنعت کار ③ تاجر

ہوس زر اور طمع دولت اندوزی کے حد اعتدال سے بڑھ جانے کے بعد ان میں سے ہر طبقہ اپنے فاضل مال کو مقررہ مستحقین پر خرچ کرنے کے بجائے اپنے اموال واملاک کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے میں صرف کرتا ہے۔

چنانچہ بڑی آمدنیوں والے کاشتکار رفتہ رفتہ چھوٹے کاشتکاروں سے ان کی زمینیں

بڑی بڑی قیمتوں پر خرید کرتے اور ان کو زمین سے محروم کرتے رہتے ہیں، اور رفتہ رفتہ کاشتکار سے زمیندار بن جاتے ہیں اور اپنی زمینیں بے زمین کاشتکاروں کو کرایہ پر یا بٹائی پر دے کر بغیر کسی محنت ومشقت کے گھر بیٹھے ان کاشتکاروں کی پیداوار کے حصہ دار بلکہ مالک بنتے رہتے ہیں، اور اسی طرح رفتہ رفتہ زمیندار سے جاگیردار بن جاتے ہیں۔

اسی طرح صنعت کار، (کاریگر) اپنی فاضل دولت کو خدا اور سول کے حکم کے مطابق خرچ کرنے کے بجائے خود کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرنے میں صرف کرتے ہیں اور کارخانہ دار بن جاتے ہیں اور کم آمدنی والے کاریگروں اور مزدوروں کو ملازم رکھ کر رفتہ رفتہ ان کے تمام پیداوار کے مالک بن بیٹھتے ہیں اور اسی طرح بڑھتے بڑھتے مل اونر (ملوں کے مالک) بن جاتے ہیں۔

اسی طرح بڑے بڑے تاجر اپنی فاضل آمدنیوں اور منافع کو خدا اور سول کے حکم کے مطابق خرچ کرنے کے بجائے ان سے ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ بازاروں اور تجارتی منڈیوں پر اس طرح قبضہ کر لیتے ہیں کہ چھوٹے تاجر براہ راست برآمد و درآمد کرنے کے بجائے ان سے اموال تجارت خریدنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور وہ تاجر اب تاجر کے بجائے سرمایہ کار (ساہوکار) بن جاتے ہیں اور اس طرح ہوس کے نعرہ "ھل من مزید" کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ ملک کی تمام دولت بڑے بڑے جاگیرداروں کی ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے اور یہی ہوس مال و دولت اور طمع زر اندوزی بڑھتے بڑھتے دوسروں کی کمائی سے نفع اندوزی (جس کو اصطلاح میں معاشی استحصال کہا جاتا ہے) کی حد تک پہنچ جاتی ہے اسی مرحلہ پر سودی کاروبار اور قمار بازی یعنی بنکاری اور بیمہ کاری جیسی لعنتیں جنم لیتی ہیں اور معاشی اعتبار سے پورا ملک ان چند افراد یا خاندانوں کا دست نگر بن کر رہ جاتا ہے حتیٰ کہ حکومتیں بھی انہی کے اشاروں پر بننے اور بگڑنے لگتی ہیں، اور اپنے بقاء کی غرض سے ان کے مفاد کے تحفظ پر مبنی قوانین بنانے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اسی لحاظ سے یہ حکومتیں سرمایہ دار اور سامراجی حکومتیں کہلاتی ہیں۔

اسلام نے اسلامی معاشی نظام میں ان تباہ کن لعنتوں کی بیخ کنی کے غرض سے ہی عفو فاضل آمدنی کو متفرق مصارف و مدات میں خرچ کرتے رہنے پر بے انتہا زور دیا ہے چونکہ عام

انفاقات میں اسلام استحصال بالجبر کا یعنی مالداروں کی جمع کردہ دولت پر زبردستی قبضہ کر لینے کا (جس کا نام آج کل کی اصطلاح میں "قومیانہ" ہے) حکم نہیں دیتا اس لئے کہ یہ صریح ظلم ہے لہٰذا اسلام نے تینوں قسم کے اغنیاء پر ان کے سالانہ فاضل اموال نامیہ کا چالیسواں حصہ اور زراعتی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ بصورت زکوٰۃ وعشر فقراء اور مساکین پر تقسیم کرنے کو فرض اور لازم قرار دیدیا۔ اور خود نہ ادا کرنے کی صورت میں اسلامی حکومت کو ان کے املاک سے وصول کر کے فقراء و مساکین پر تقسیم کردینے کا حکم دیا ہے تاکہ ارباب اموال کی جمع کردہ دولت کسی درجہ میں تو گردش میں آتی رہے اور سرمایہ کلی منجمد نہ ہو۔

نظری اعتبار سے تو اگرچہ یہ فاضل اموال کا چالیسواں حصہ اور زمین کی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ اکتناز زر اور انجماد دولت کے قلع قمع کرنے میں کچھ زیادہ موثر اور نتیجہ خیز محسوس نہیں ہوتا لیکن ہمارا دعویٰ ہے (ماہرین معاشیات بھی اسے تسلیم کرتے ہیں) کہ اگر ملک کے تمام دولت مند خصوصاً لکھ پتی اور کروڑ پتی سرمایہ دار اپنے اموال کی پوری پوری زکوٰۃ ہی سالانہ نکالتے اور واقعی ضرورت مندوں کو تقسیم کرتے رہیں، اسی طرح زمیندار اور جاگیردار زرعی پیداوار سے ہر فصل پر دسواں یا بیسواں حصہ دیانتداری کے ساتھ نکال کر ضرورت مندوں کی معاشی ضروریات پوری کرتے رہیں تو اسلامی معاشرہ میں کوئی ایک فرد بھی بنیادی ضروریات روٹی، کپڑا، مکان اور ان کے لوازمات کے لئے محتاج نہیں رہ سکتا اور ملک فقر و افلاس کے تسلط اور اس کے نتیجہ میں جنم لینے والے معاشرتی جرائم سے بڑی حد تک پاک رہے گا۔ اور معاشی بحران سے بھی ملک محفوظ رہے گا۔

بدقسمتی یہ ہے کہ یہ مالدار اور سرمایہ دار طبقہ جس طرح حکومت کے ٹیکس ادا کرنے میں طرح طرح سے خیانتیں کرنے اور ٹیکس وصول کرنے والوں کو دھوکہ دینے کا عادی ہے اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں بھی حیلے حوالے اور خیانتیں کرنے سے نہیں چوکتا، اول تو یہ لکھ پتی اور کروڑ پتی سرمایہ دار اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتے ہی نہیں اور جو مالدار زکوٰۃ نکالتے بھی ہیں تو وہ اونی پونی رقمیں کسی بھی نیک کام میں صرف کر کے اپنے دل میں مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے زکوٰۃ

نکال دی حالانکہ زکوٰۃ کے ادا ہونے کے لئے ان مخصوص مستحقینِ زکوٰۃ کو مالک بنانا ضروری ہے جن کی قرآن کریم نے تعیین کی ہے ہر کارِ خیر میں زکوٰۃ صرف نہیں کی جاسکتی۔

اس وقت جن چند خاندانوں کے ہاتھوں میں سابقہ حکومت کی غلط پالیسی کی وجہ سے ملک کا تمام سرمایہ جمع ہوگیا ہے اگر وہ خدا کو حاضر وناظر جان کر اپنے پورے سرمایہ کا چالیسواں حصہ اور زراعتی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ نکال کر اپنے اپنے حلقوں کے مستحقینِ زکوٰۃ ضرورت مندوں میں تقسیم کردیں تو بڑی حد تک ملک کا فقر وافلاس دور ہوسکتا ہے اور وہ خود اکتناز زر کے قومی جرم کی دنیوی سزا (یعنی کسی عوامی حکومت کے ان کے اموال واملاک پر زبردستی قبضہ کرلینے) سے اور آخرت کے رونگٹے کھڑے کردینے والے عذاب سے نجات پاسکتے ہیں۔

صدقات واجبہ

اسلامی شریعت نے مختلف عنوانات سے موقت اور غیر موقت صدقات اور کفارات (یعنی بطور عقوبت مالی سزا) بہت کثرت سے مسلمانوں کے ذمے عائد کئے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے بھی آس پاس کے حاجتمندوں کی کافی حد تک معاشی اعانت ہوسکتی ہے۔

① موقت صدقات واجبہ

موقت صدقات واجبہ میں عید الفطر کے موقعہ پر صدقہ فطر سب ہی مسلمان نکالتے ہیں ، اگر پیشہ ور بھکاریوں کو دینے کے بجائے اپنی ذاتی واقفیت کے تحت عید کی نماز سے پہلے سامان عید سے محروم حاجتمندوں کو منظم طریق پر پہنچادیا کریں تو وہ بھی کچھ نہ کچھ عید کے اسلامی تہوار منانے کا سامان مہیا کرکے اپنے خوش حال بھائیوں کے ساتھ عید کی خوشیاں مناسکیں کہ یہی اس صدقہ کو واجب فرمانے کا مقصد ہے، مگر برا ہو ہماری دینی شعائر کی روح سے بے خبری اور بے اعتنائی کا کہ صدقہ فطر نکالتے ہیں اور عموماً بے مصرف ضائع ہوتا ہے یا اہتمام وتنظیم نہ ہونے کی وجہ سے خاطر خواہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جس کے لئے صاحب شریعت علیہ الصلاۃ والسلام نے صدقۃ الفطر کو واجب فرمایا ہے۔

اسی طرح ''عید قربان'' کے موقع پر ملحدین کے مخالف پروپیگنڈے اور حکومت کے رکاوٹیں کھڑی کردینے کے باوجود عید الاضحیٰ پر پورے ملک میں مسلمان ہزاروں قربانی کے جانور ذبح کرتے ہیں اگر مسلمان اس قربانی کے معاشی افادے (فقراء اور مساکین کی اعانت) کو سامنے رکھ کر قربانی کا گوشت صرف ان غریب اور نادار بھائیوں کے گھر پہونچائیں جو قربانی نہیں کرسکتے تاکہ وہ بھی فراخی کے ساتھ گوشت کھاسکیں اور چرم قربانی نیز قربانی کے جانور کے باقی قابل فروخت اجزا پورے اہتمام اور تنظیم کے ساتھ فروخت کرکے اس لاکھوں روپے کی رقم خطیر اور سالانہ خدائی گرانٹ سے خستہ حال اور ضروریات زندگی سے محروم لوگوں کی معاشی اعانت کریں تو سینکڑوں خاندان اسی ایک واجب صدقہ کے ذریعہ فقر وافلاس کے چنگل سے رہائی پاسکتے ہیں خصوصاً حج، کہ مناسک حج کے طور پر منیٰ میں کی جانے والی قربانی کے جانوروں کا گوشت و پوست تو اس بری طرح ضائع اور برباد ہوتا ہے کہ اس فاقہ مست مسلمان قوم کی اس بے حسی پر ہر باشعور انسان انگشت بدنداں ہے۔

اس میکانکی ترقی کے دور میں ایسی خودکار مشینیں ایجاد ہوچکی ہیں جو ذبح شدہ جانور کی کھال روده اور ہڈیوں وغیرہ کو چند سیکنڈوں میں الگ اور قابل استفادہ صورت میں مہیا کرسکتی ہیں سعودی حکومت ہر قسم کی ضروریات زندگی میں کام آنے والی مشینیں مغربی ممالک سے درآمد کررہی ہے مگر اس دینی اور قومی سرمایہ کے ضیاع کا اسے احساس تک نہیں ہوتا۔

② غیر موقت صدقات واجبہ!

اسلامی تعلیمات میں خدا کی نافرمانی اور ارتکاب گناہ کی دنیوی واخروی سزا سے بچنے اور معصیت وگناہ کے ازالہ (عفو) کا ذریعہ ارحم الراحمین نے صدق دل سے توبہ اور استغفار تجویز فرمایا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ رزّاق مطلق پروردگار نے اپنے حاجتمند بندوں کی حاجت روائی کی حکمت کے تحت بعض معصیتوں اور نافرمانیوں کے ارتکاب کرنے پر مالی کفارات بھی واجب فرمائے ہیں اسی طرح بعض عظیم طاعات کی توفیق دینے یا مرادوں کے پورا فرمادینے کے شکرانہ کے طور پر قربانی (جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''دم شکر'' کہتے ہیں) یا مالی صدقات بھی واجب فرمائے

ہیں تاکہ وقتاً فوقتاً ان کے ذریعہ ضروریات زندگی سے محروم خلق خدا کی معاشی اعانت ہوتی رہے۔

غرض قوم کے ارباب اموال اور خوشحال لوگوں کے اموال میں سے معتد بہ رقم زکوٰۃ، عشر، قربانی اور صدقات ونذور وغیرہ کے عنوان سے نکالتے رہنا پروردگارِ عالم نے ان دولتمندوں اور خوشحال لوگوں پر فرض قرار دیا ہے اگر یہ طبقہ اپنے اموال میں سے یہ رقم دیانتداری کے ساتھ نکالتا اور مستحقین پر اہتمام واحتیاط کے ساتھ خرچ کرتا رہے تو اسلامی ملک میں فقر وافلاس کا مسئلہ بطریق احسن حل ہوسکتا ہے۔

مگر یہ جب ہی ممکن ہے کہ مسلمانوں کے مالدار اور خوش حال طبقہ کا ضمیر مردہ نہ ہوگیا ہو اور ملک کی ۹۰ فیصد غذا، دوا، لباس اور مکان سے محروم خلق خدا کی حالت زار کا احساس ان کے باحمیت دلوں میں موجود ہو۔

مگر وائے محرومی! کہ اس دولت کے نشہ میں مست طبقہ کی بے حسی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ خدائی قہر ہی ان کی آنکھیں کھول سکتا ہے۔ العیاذ باللہ والیہ المشتکی

میراث

قرآن حکیم نے جن مختلف قسم کے انفاقات کا جابجا مختلف عنوانات کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انواع واصناف اموال اوران پر وجوب زکوٰۃ کے جو تفصیلی احکام بیان فرمائے ہیں اگر مسلمان سرمایہ دار اور جاگیردار صدق دل سے ان پر عمل کرتے رہیں تو ملک کی دولت قومی معیشت میں قطعاً گردش کرتی رہے اور سرمایہ برابر دست بدست متحرک رہے چند ہاتوں یا چند خاندانوں میں سرمایہ رک ہی نہیں سکتا اور اگر اتفاقاً کسی فرد کے پاس رُک بھی جائے یعنی ان انفاقات اور زکوٰۃ وصدقات ادا کرتے رہنے کے باوجود سرمایہ جمع ہو بھی جاتا ہے تو اس کی وفات کے بعد اسلامی احکام کے مطابق میراث تقسیم کرنے کے بعد وہ سرمایہ خواہ کسی بھی صورت میں ہو متفرق اور متعدد ملکیتوں میں تقسیم ہوکر حرکت میں آجاتا ہے تمام املاک کے ایک فرد (مرنے والے) کے بجائے متعدد افراد، ذکور واناث (مرد بھی عورتیں بھی) مالک بن جاتے ہیں اور انجماد دولت کی بیخ کنی ہوجاتی ہے۔

اگر پاکستانی حکومت ملک کی موجودہ جاگیرداریوں کو غیر اسلامی اور ظالمانہ طریق پر (جس کا نام غیر اسلامی حکومتوں نے ”قومیانہ“ رکھا ہے) قبضہ میں لینے اور غصب کرنے کے بجائے (جس کا ملک کے تمام جاگیرداروں اور زمینداروں کو صرف تین پشتوں کی املاک کو شرعی طریق توریث کے مطابق تقسیم کرنے کے احکامات جاری کردے تو ملک کی موجودہ جاگیریں اور زمینداریاں (جو سینکڑوں مربعوں اور ہزاروں ایکڑ زمین کے رقبہ پر مشتمل ہیں) سب کی سب خالص اسلامی طریق پر تقسیم ہوکر خود بخود ختم ہوجائیں اور سینکڑوں ہزاروں زمین سے محروم لوگوں کے پاس زمینیں پہونچ جائیں اور مٹھی بھر جاگیرداروں اور زمینداروں کی معاشی گرفت بلکہ استحصال سے خدا کی مخلوق آزاد ہوجائے۔

غرض اسلام کے معاشی نظام کو استوار رکھنے اور منصفانہ تقسیم دولت کے یہ تین بنیادی اصول ہیں:

① مسلمان صاحب مال کی ضروریات سے زائد اموال کا مختلف مدات میں انفاق (خرچ کرتے رہنا)

② صاحب نصاب مسلمان مالداروں کے نمو پذیر اموال اور پیداوار میں سے زکوٰۃ اور عشر یا نصف عشر اور صدقات واجبہ کا ادا کرتے رہنا۔

③ مسلمان مرنے والے کی تمام املاک کی ورثاء (ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام) پر حسب قاعدہ شرعیہ تقسیم کرنا۔

ان تینوں اصول پر عمل کرنے کی صورت میں کسی اسلامی ملک میں اکتناز زر یعنی قومی سرمایہ کے چند ہاتھوں یا چند خاندانوں میں سمٹ کر جام ہوجانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا، اور نہ ملک کے ۹۰ فیصد افراد فقر وافلاس کی انسانیت سوز اور مذہب دشمن لعنت میں گرفتار ہوسکتے ہیں اور نہ اس اسلامی ملک میں اشتراکیت اور سوشلزم کے پروپیگنڈے کے لئے فضا سازگار ہوسکتی ہے، اور نہ ملک میں معاشی بحران کا وہ آتش فشاں پہاڑ پھٹ سکتا ہے جس کا لاوا ملک کے امن و سلامتی کو پھونک سکے جس کا بھیانک منظر فوجی حکومت قائم ہونے سے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں۔

اسلام میں معاشی مساوات
اور عدل کا مطلب

یاد رکھئے معاشی مساوات اور عدل وانصاف کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ملک کے تمام افراد (اعلیٰ سے ادنیٰ تک) ایک ہی قسم کی خوراک کھائیں ایک ہی قسم کا لباس پہنیں ایک ہی قسم کے مکان میں رہیں اور سب کے سب یکساں لوازمات زندگی کے مالک ہوں اگر کسی کارخانہ کے مالک کے پاس رہنے کے لئے بنگلہ ہے تو ویسا ہی بنگلہ کارخانہ کے ہر مزدور اور ملازم کے پاس ہونا چاہیے اگر کارخانہ کے منیجر کے پاس کار ہے تو ہر مزدور کے پاس ویسی ہی کار ہونی چاہیئے اگر ایک ماہر فن اور آزمودہ کار کاریگر کو ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے تو اس کارخانہ کے ہر ایک پاسبان اور چوکیدار کو بھی ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ ملنی چاہئے اسی طرح اگر ایک دس مربعہ زمین کے مالک زمیندار کے پاس رہنے کے لئے بنگلہ ہے کار ہے یا گھوڑی ہے تو اس کے ہر مزارع اور کاشتکار کے پاس ایسا ہی بنگلہ ایسی کار یا گھوڑی ہونی چاہئے۔ علیٰ ہٰذ القیاس۔

اس قسم کی مساوات تو قانون فطرت کے بالکل خلاف اور قوم و ملک کے افراد کی ابھرتی ہوئی امنگوں، متنوع صلاحیتوں اور اہلیتوں پر ظلم بلکہ ان کی بیخ کنی کے مترادف ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں اور گوناگوں شعبہ ہائے معیشت کی ہمہ گیر ترقی کو مسدود کر دینے کے ہم معنی ہے جو سب سے بڑا قومی معیشت پر ظلم بلکہ جرم ہے، حقیقت یہ ہے کہ:

ہر کسے را بہر کارے ساختند

قدرت خداوندی نے ہر انسان میں فطری طور پر زندگی کے شعبوں میں سے کسی نہ کسی شعبہ کے ذریعہ کسب معاش کی ایسی خاص اہلیت اور صلاحیت ودیعت فرمائی ہے کہ دوسرے انسان میں ویسی اہلیت وصلاحیت نہیں ہوتی اور پھر گوناگوں قسم کے ادنیٰ واعلیٰ روزی حاصل کرنے

کے جائز اور حلال راستے اس مختلف صلاحیتوں اور اہلیتوں کی مالک مخلوق کے لئے کھول دیئے تاکہ ہر شخص اپنی مخصوص صلاحیت اور اہلیت کے مطابق کسب معاش کا راستہ اختیار کرے اور زیادہ سے زیادہ فراخ روزی اور خوشحال زندگی حاصل کرنے کی غرض سے زیادہ سے زیادہ محنت ومشقت اور عرق ریزی سے کام کرلے اور اسی طرح ان مختلف اور متنوع صلاحیتوں اور اہلیتوں کے مالک لوگوں کی کارکردگی منظر عام پر آتی رہے اور قومی وملکی معیشت کا ہر شعبہ روز افزوں ترقی کرتا رہے اور قومی زندگی کا معیار اس فطری طریق پر آپ سے آپ تر بلند سے بلند تر ہوتا رہے اسی لئے علیم و حکیم پروردگار نے ہر انسان کی فطرت میں فراخ رمزی اور خوشحال زندگی بسر کرنے کا فطری جذبہ ودیعت فرمایا ہے حلال ذرائع سے زیادہ سے زیادہ خوشحال زندگی حاصل کرنے کی ہمت افزائی فرمائی ہے راہبانہ قناعت کی نہایت لطیف پیرایہ میں بیخ کنی کی ہے ارشاد ہے:

﴿قل من حرّم زينة الله التى أخرج لعباده والطّيبات من الرزق﴾ [الاعراف:۳۲]

ترجمہ: (اے نبی) کہہ دو: کس نے حرام کیا ہے اللہ کی (عطاء کی ہوئی) زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور پاکیزہ رزق (کھانے پینے کی چیزوں) کو۔

ہاں حرام خوری سے بچانے اور حرام ذرائع معاش سے محفوظ رکھنے کی غرض سے ہوس زراندوزی اور اسراف وفضول خرچی سے بڑی شدت سے منع فرمایا ہے آپ پڑھ چکے ہیں کہ "کلوا و اشربوا" کے اذن کے ساتھ ہی ساتھ "ولا تسرفوا" کا قدغن ضرور لگا ہوا ہے اور إنّ الله لا يحبّ المسرفين پر ہی اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ: "إنّ المبذّرين كانوا اخوان الشياطين" کا بھی اضافہ فرمادیا ہے بلکہ اسراف سے تو امور خیر تک میں خرچ کرنے کی صورت میں بھی منع کیا ہے اور اس کے انجام پر متنبہ فرمایا ہے ارشاد ہوا:

﴿ولا تجعل يدك مغلولةً إلى عنقك ولا تبسطها كلّ البسط فتقعد ملوما محسورا﴾ [الاسراء:۲۹]

ترجمہ: اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن سے اور نہ اس کو بالکل ہی کھول دے کہ تو بیٹھ رہے قابل ملامت بنکر (یا) تھکا بنکر (یعنی بخل واسراف کے تسلط کی صورت میں

قابل ملامت اور فضول خرچی کی صورت میں نکما اور بے فیض بن جائے)۔

اسی طرح حرص وطمع مال وزر کی جو اس طلب روزی فراخ کے حد اعتدال سے متجاوز ہو جانے کا نتیجہ ہیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث میں بڑی سختی سے شناعت بیان کی گئی ہے۔

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کو متنبہ فرماتے ہیں:

"لا اخشیٰ علیکم الفقر ولکن اخشیٰ علیکم الدنیا اذا هی حیزت لکم فتنا فسوا فیها کما تنافس من کان قبلکم فتهلککم کما اهلکتهم" [1]

ترجمہ: مجھے تمہارے اوپر فقر اور تنگدستی سے مضرت کا اندیشہ نہیں بلکہ مجھے تو ڈر دنیا کے مال و دولت سے ہے کہ وہ (تمہارے قدموں میں) اکٹھی کر دی جائے تو تم ایک دوسرے سے بڑھنے کی دھن میں لگ جاؤ جیسے تم سے پہلی قومیں دنیا کی دھن میں لگ گئی تھیں پس تمہیں ایسے ہی ہلاک کر ڈالے جیسے ان کو ہلاک کر دیا غرض حد اعتدال میں رہتے ہوئے فراخ روزی اور خوش حال زندگی کی طلب عین فطری جذبہ اور قومی سطح پر معیار زندگی کے قدرتی طور پر رفتہ رفتہ بلند ہوتے رہنے کا ذریعہ ہے اس لئے معاشی مساوات اور عدل کے معنی یہ ہے کہ نظام معیشت ایسا ہونا چاہیئے کہ ہر فرد کو اپنی فطری صلاحیت و اہلیت بروئے کار لانے کے مواقع بلا مزاحمت میسر ہوں اور ہر شخص کو اپنی محنت کا پورا پورا معاوضہ ملتا رہے یہی حقیقی معاشی مساوات ہے اور یہی فطری عدل وانصاف اور یہی قانون قدرت کا تقاضا ہے۔

اجتماعی زندگی میں طبقاتی تفاوت اور معیار زندگی کا فرق ناگزیر ہے

علمائے معاشیات اس پر متفق ہیں کہ جیسے انسان کی بنیادی ضروریات تین ہیں: غذا، لباس اور مسکن، ایسے ہی انسانی معیشت کے اساسی شعبے بھی تین ہیں اور ان تینوں شعبوں سے کسب

---

(1) بخاری: ٩٥٠/ ٢، کتاب الرقاق، باب ما یحذر من زهرة الدنیا و التنافس فیها.

ومعاش کرنے والے انسان بھی اصولاً تین طبقوں پر منقسم ہیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خالق کائنات اپنے ارشاد گرامی:

﴿ولقد مکنّاکم فی الأرض وجعلنا لکم فیها معایش قلیلا ما تشکرون﴾ [الاعراف:١٠]

ترجمہ: اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے تم کو زمین میں (تصرف کی) پوری قدرت دے دی ہے اور اسی زمین میں تمہاری روزی کے وسائل رکھ دئے ہیں (مگر) تم اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

کے تحت انسانی معیشت کا نظام استوار اور محکم بنیادوں پر قائم رکھنے کیلئے فطری طور پر تین قسم کی صلاحیتوں اور اہلیتوں کے مالک انسان پیدا فرمائے ہیں۔

① پہلا طبقہ: ایسی مخصوص فطری صلاحیتوں اور اہلیتوں کے مالک لوگ جو (خالق کائنات نے انسانی زندگی اور اس کے لوازمات کو مہیا کرنے کے لئے زمین میں، پہاڑوں میں، سمندروں میں جو خام اشیاء پیدا کی ہیں یا پیدا کرنے کی صلاحیت ان میں رکھی ہے) اس خام پیداوار کو فراخ روزی اور خوشحال زندگی حاصل کرنے کے فطری جذبہ کے تحت اپنی ان تھک سعی اور کارکردگی سے قابل انتفاع صورت میں لاتے رہیں یہ انسانی معیشت کا پہلا شعبہ ہے زراعت، شجر کاری، باغبانی، کان کنی، گلہ بانی، ماہی گیری غوطہ زنی وغیرہ شعبے اس کے تحت داخل ہیں۔

② اس طبقہ کی مہیا کردہ خام اشیاء، انسانی صنعت اور تصرف کے بغیر انسان کے لئے قابل انتفاع نہیں ہوتیں غلہ کو جب تک پیسا نہ جائے اور اس سے روٹی نہ پکائی جائے انسان نہیں کھا سکتا روئی یا اون سے جب تک کپڑا نہ بنا جائے انسان اپنا جسم نہیں ڈھانپ سکتا، سردی گرمی سے نہیں بچ سکتا لکڑی کو جب تک چیرا اور تراشا نہ جائے اور تعمیرات میں یا دوسری ضروریات میں کام آنے والی شکلوں میں تبدیل نہ کیا جائے انسان مسکن اور اس کے متعلق ضروریات زندگی کے لئے اس کا استعمال نہیں کر سکتا۔ سونا چاندی لوہا پیتل وغیرہ معدنی دھاتوں کو جب تک ضروریات زندگی میں کام آنے والے اوزار وآلات، اسلحہ جنگ، ظروف وآوانی اور زیوارات وغیرہ کی شکل میں ڈھالا نہ جائے ان سے انسان انتفاع نہیں کر سکتا اس لئے علیم وحکیم

رب العالمین نے کچھ انسان فطری طور پر ایسی صلاحیتوں اور اہلیتوں کے مالک پیدا فرمائے جو خام اشیاء کو انسانی ضروریات زندگی اور ان کے لوازمات میں کام آنے والی صورتوں میں تبدیل کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں اور کسب معاش کی خلقی احتیاج اور زیادہ سے زیادہ فراخ روزی اور خوشحال زندگی حاصل کرنے کے فطری جذبہ کے تحت اپنی اہلیتوں اور صلاحیتوں کو خام اشیاء سے نو بنو مصنوعات پیدا کرنے میں صرف کرے یہ انسانی معیشت کا دوسرا شعبہ ہے تمام صنائع وحرف ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک سب اس کے تحت داخل ہیں۔

انسانی ذہن وفکر اور قوت دریافت وقوت ایجاد واختراع جوں جوں ترقی کرتی گئی نیز ضروریات ولوازمات زندگی کا تنوع جس قدر بڑھتا گیا اس قدر صنعتوں کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، صنعت کاروں نے فراخ سے فراخ تر روزی کمانے اور آمدنی بڑھانے کے فطری جذبے کے تحت اپنی کارکردگی کو بڑھانے صنعتی پیداوار میں اضافہ کرنے کی غرض سے مشینیں ایجاد کرنا اور انسانوں کے بجائے ان سے کام لینا شروع کر دیا یہاں تک کہ آج کی دنیا میں انسانی معیشت کے اندر سب سے زیادہ وسیع اور اہم حصہ صنعت وحرفت کا ہے۔

(۳) طبقہ جو زمین سے پہاڑوں سے اور سمندروں سے خام پیداوار برآمد کرتا ہے اس ک ان لوگوں سے خرید کر ایک خطہ سے دوسرے خطے میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچا بازاروں اور منڈیوں میں لاکر صنعت کاروں کے ہاتھ فروخت کرنا اسی طرح دوسرے طبقے یعنی کاریگروں اور صنعت کاروں کی پیداوار مصنوعات کو ضرورت مندوں تک پہنچانا اور ان کے ہاتھ فروخت کرنا انسانی معیشت کا ایک مستقل اور پہلے دونوں شعبوں سے بالکل مختلف شعبہ ہے خالق کائنات نے اس شعبے کے لئے انسانوں میں مخصوص صلاحیتوں اور اہلیتوں کا مالک ایک طبقہ ایسا پیدا فرمایا ہے جو اپنے معاشی مفاد اور فراخ سے فراخ تر روزی کے فطری جذبہ کے تحت خام پیداوار اور مصنوعات کی نفع بخش طریق پر خرید وفروخت کرنے کی خاص اہلیت کا مالک ہے اس ک ذریعہ معاش اور خوشحال زندگی بسر کرنے کا وسیلہ یہی خام اشیاء اور صنعتی پیداوار کی درآمد وبرآمد ہے اس کا نام معاشیات کی اصطلاح میں تجارت ہے۔

ہم آگے بڑھنے سے پہلے آپ سے درخواست کریں گے کہ آپ آیت کریمہ یا اس کے اردو ترجمہ کو دوبارہ پڑھیں اور سمجھیں کہ اللہ جل شانہ کے انسان کو زمین پر قدرت دینے اور اس میں معایش (معیشت کے طریقے) تجویز کرنے کا مطلب یہی ہے کہ ہم نے تم کو فطری طور پر ایسے مختلف اور متنوع صلاحیتوں اور اہلیتوں کا مالک بنا کر پیدا کیا ہے کہ تم میں سے ہر شخص کسب معاش اور فراخ روزی کے فطری جذبہ کے تحت اپنی اپنی اہلیت وصلاحیت اور فطری رجحانات کے مطابق انسانی معیشت کے شعبوں میں سے موزون ترین شعبہ میں اپنی کارکردگی کو برروئے کار لائے اور مجموعی طور پر تم سب کی کارکردگی سے انسانی معیشت کا نظام محکم بنیادوں پر نہ صرف استوار رہے بلکہ برابر ترقی کرتا رہے یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔

بہر حال آپ نے دیکھا کہ انسانوں کی یہ تینوں معاشرتی طبقے (جو انسانی نظام معیشت کے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں) اپنی اپنی فطری صلاحیت واہلیت کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور کارکردگی اور دائرہ کار کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، رہن سہن غذا، لباس، مسکن وغیرہ اطوار زندگی کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں ان کا معیار زندگی بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ فراخی اور خوشحالی کے مظاہر بھی نوعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں مثلاً کسانوں اور ان کے متعلقین کے لئے دیہاتوں کی کھلی فضاء میں سکونت سادہ مگر قوی اور دیر ہضم غذا مختصر سا لباس ان کی سخت کوشی اور مشقت کشی کے لئے موزوں ہیں سامان راحت وآسائش ان کی کارکردگی کے لئے سخت مضر ہے ان کی خوشحالی اور تمول کے مظاہر ان کی کھیتوں کی مویشیوں کی آلات ولوازمات کاشتکاری کی اور آب پاشی کے لئے کنوؤں کی کثرت اور فراوانی ہے اس کے برعکس تاجروں کے کاروبار کے لئے ایسے شہروں میں رہائش جہاں بڑی بڑی منڈیاں ہوں آڑھتیں ہوں پر رونق بازار ہوں ملکی وغیر ملکی مال تجارت کی دستیابی کی اور وسائل حمل ونقل کی سہولتیں اور درآمد وبرآمد کی آسانیاں میسر ہوں ضروری ہے ان کے لئے ہلکی اور زود ہضم غذائیں باوقار لباس، پختہ اور پرتکلف مکان اور آسائش وآرام کے سامان کی فراوانی ان کے کاروبار کی ساکھ قائم رکھنے کیلئے نہایت ضروری ہے انکے تمول اور خوشحالی

کے مظاہر پختہ حویلیاں گودام اور ملکی وغیر ملکی اموال تجارت کی فراوانی ہو، یہی فرق وتفاوت بنیادی ضروریات کی نوعیت کے لحاظ سے صنعت کار طبقے میں پایا جانا ناگزیر ہے کاریگروں اور صنعت کاروں کے لئے اس خطہ میں سکونت مفید ہے جہاں صنعتی مراکز ہوں خام پیداوار کی درآمد اور تیار شدہ مصنوعات کی برآمد اور حمل ونقل کی سہولتیں اور آسانیاں میسر ہوں زندگی اور لوازمات زندگی ان کی کارکردگی کے لئے بھی محنت کش (طبقہ کسانوں، کان کنوں، گلہ بانوں ماہی گیروں وغیرہ) کے مانند زیادہ اور صحت بخش مفید ہیں، راحت وآسائش کے سامان انکی کارکردگی کے لئے بھی مضر ہیں۔

بہر حال مجموعی طور پر انسانی معیشت کے نظام کے، محکم بنیادوں پر قائم واستوار ہونے کے لئے یہ طبقاتی فرق اور اختلاف از بس ضروری اور فطری ہے اس طبقاتی تفاوت کے بغیر انسانی معیشت کا نظام قائم ہی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ برقرار واستوار رہے اسی طرح ہر طبقہ کے افراد میں بھی شخصی طور پر صلاحیت واہلیت کارکردگی میں اعلیٰ ادنیٰ اور متوسط درجات کا فرق اور اس فرق کے نتیجے کے طور پر ان کی کارکردگی میں، سخت کوشی ومشقت میں اور زیادتی پیداوار میں بھی اعلیٰ ادنیٰ اور متوسط درجات کا فرق اور تفاوت ناگزیر ہے اور اسی بنا پر افراد کی مزد کاریعنی آمدنی اور تمول میں بھی اعلیٰ ادنیٰ اور متوسط درجات کا فرق اور تفاوت لازمی ہے یعنی اعلیٰ درجہ کی صلاحیت واہلیت کے مالک افراد کو قدرتی طور پر زیادہ سے زیادہ محنت ومشقت اُٹھانے اور بہتر سے بہتر کام کرنے کی بنا پر ان کی محنت کا صلہ بھی۔۔۔۔۔ دوسرے افراد کی بہ نسبت زیادہ سے زیادہ ملنا چاہیئے تا کہ قومی معیشت کی سطح ان افراد کی ہمت افزائی کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ بلند ہوتی رہے یہی صورت حال قومی معیشت کے ہر شعبہ میں ہونی چاہیئے تا کہ مجموعی طور پر قومی معیشت برابر ترقی پذیر رہ سکے۔

یہ وہ قدرتی اور فطری نظام ہے کہ اس کے خلاف ورزی افراد کی ہمت کو پست اور نشاط کار کو ختم اور ان کو کام چور بنا دینے کا موجب اور قومی معیشت کے انحطاط کا باعث ہوگی، جو سب سے بڑا ظلم بلکہ قومی جرم ہے۔

لہٰذا اس فطری تفاوت اور فرق کی بناء پر نہ ان تینوں طبقات کا معیار زندگی ہی یکساں

ہوسکتا ہے نہ ہی ہر طبقہ کے افراد کی مزد کاریعنی آمدنی کا معیار یکساں ہوسکتا ہے، اور نہ ہی خوشحالی اور تمول کا معیار یکساں ہوسکتا ہے یہی مطلب ہے خالق کائنات کے اس ارشاد کا:

﴿والله فضّل بعضكم على بعض في الرزق﴾ [النحل:١٤]

ترجمہ: اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی ہے۔

اور چونکہ قومی معیشت کے ان تینوں شعبوں میں مذکورہ بالا تینوں طبقوں کے اعلیٰ درجہ کی صلاحیتوں کے مالک افراد اپنی کارکردگی کو زیادہ سے زیادہ حد تک پہنچانے میں اپنے طبقہ کے ادنیٰ درجہ کے افراد کے تعاون کے محتاج ہیں اور وہ ادنیٰ درجہ کے افراد اپنی فطری پستی کی بناء پر حصول معاش کی کمی کی مکافات کرنے میں ان اعلیٰ درجہ کے افراد کے تعاون کے محتاج ہیں اس لئے خالق کائنات نے اس دوطرفہ احتیاج کو پورا کرنے کے لئے فطری طور پر ان دونوں قسم کے افراد کے درمیان باہمی تعاون کا قدرتی رشتہ پیدا فرمایا ارشاد ہے:

﴿أهم يقسمون رحمت ربك نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحيوة الدنيا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضا سخريا ورحمت ربك خير مما يجمعون﴾ [الزخرف:٣٢]

ترجمہ: کیا وہ تمہارے رب کی رحمت (نبوت ورسالت) کو تقسیم کرنے بیٹھے ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی میں ان کی معیشت کی تقسیم بھی ہم ہی نے کی ہے اور بعض کے درجے (معیشت کے اعتبار سے) بعض پر بلند کئے ہیں تا کہ ایک دوسرے کے کام کرے اور تمہارے رب کی رحمت ان کی جمع کردہ دولت سے (بدرجہا) بہتر ہے۔

غیر مناسب نہ ہوگا اگر ہم اس قانون فطرت اور آیت کریمہ کی روشنی میں ایک سابقہ فقرہ کا اعادہ کردیں:

معاشی مساوات اور عدل کے معنی یہ ہیں کہ قوم کے ہر فرد کو اپنی فطری صلاحیت اور اہلیت کو بروئے کار لانے کے مواقع بلا مزاحمت میسر ہوں اور ہر فرد کو اپنی محنت کا پورا پورا معاوضہ بغیر کسی حق تلفی کے ملتا رہے یہی حقیقی معاشی مساوات ہے، اور یہی عدل وانصاف ہے اور یہی

قانونِ قدرت کا تقاضا اور یہی نظام معیشت کو فساد سے محفوظ اور ترقی پذیر رکھنے کا واحد وسیلہ ہے۔

غور فرمائیے کہ مذکورہ بالا قومی معیشت کے طبقات اور ہر طبقے کے افراد کے لئے اپنی صلاحیت واہلیت کو بروئے کار لانے اور اس میں ہر طرح کی محنت ومشقت برداشت کرنے کا محرک صرف فراخ روزی حاصل کرنے اور خوشحال زندگی بسر کرنے کا فطری جذبہ ہے اور یہی جبلی داعیہ اس کی تمام تر سخت کوشی مشقت کشی اور روزی کمانے کی انتھک کوشش میں کارفرما ہیں جس قدر اس جذبہ کی ہمت افزائی کی جائے اس قدر افراد وطبقات کی کارکردگی میں اضافہ ہوگا اور قومی معیشت میں ترقی ہوگی اسی ہمت افزائی کی غرض سے ہمیشہ حسن کارکردگی پر مقررہ معاوضہ کے علاوہ انعامات دیئے جاتے ہیں۔ حکمائے اخلاق نے کسی کو اس کے حق سے کچھ زائد دینے کا اصطلاحی نام تفضّل رکھا ہے اور اس کو اخلاق فاضلہ کی ایک مستقل نوع قرار دیا ہے ایسی صورت میں افراد کی شخصی ملکیت کی نفی کر دینا اور ان کو اپنی محنت سے حاصل کردہ کمائی میں حسب منشاء تصرف کے اختیار سے محروم کر دینا یقینا قانون فطرت کے خلاف اور تمدنی حکمت کے منافی ہے۔ اور نہ صرف ظالمانہ فعل بلکہ قومی معیشت کے نقطہ نظر سے بہت بڑا قومی جرم ہے۔ اسلام نہ صرف افراد کی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے بلکہ حلال اور جائز طریقوں سے حاصل شدہ فراخ روزی اور مال واولاد کو اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام قرار دیکر ارباب اموال واولاد کو شکر نعمت ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿والله جعل لكم من أنفسكم أزواجا وجعل لكم من أزواجكم بنين وحفدة ورزقكم من الطيبات أفبالباطل يؤمنون وبنعمة الله هم يكفرون﴾ [النحل:۷۲]

ترجمہ: اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہاری بیویاں پیدا کی اور تمہاری بیویوں سے تمہارے بیٹے پوتے پیدا کئے اور حلال وپاکیزہ روزی عطاء کی پس کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور خدا کی (اس نعمت) کی ناشکری کرتے ہیں۔

اسلام نماز سے فارغ ہوکر تلاش معاش میں نکل جانے کا حکم دیتا ہے مگر ساتھ ہی متنبہ کرتا ہے کہ دیکھو ایسے منہمک نہ ہو جانا کہ روزی دینے والے کو بھلا بیٹھو۔ ارشاد ہے:

﴿فإذا قضيت الصلاة فانتشروا فى الأرض وابتغوا من فضل الله واذكروا الله كثيرا لعلّكم تفلحون﴾ [الجمعة:۱۰]

ترجمہ: پس جب تم نماز پڑھ چکو تو زمین میں پھیل جاو اور اللہ کا فضل (رزق حلال) تلاش کرو اور اللہ کو تو (ہر حالت میں) کثرت سے یاد کرتے رہا کرو تا کہ تم فلاح پاسکو۔

آیت ذیل میں تلاش معاش کے لئے سفر کرنے والوں کو فراخ روزی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر ساتھ ہی مرنے کے بعد خدا کے سامنے پیش ہونے کو بھی یاد دلاتا ہے:

﴿هو الذى جعل لكم الأرض ذلولا فامشوا فى مناكبها وكلوا من رزقه وإليه النشور﴾ [الملك:۱۵]

ترجمہ: وہ وہی خدا ہے جس نے زمین کو تمہارا فرمانبردار بنا دیا پس اس کی بلندیوں (اور پستیوں) میں چلو پھرو (سفر کرو) اور روزی حاصل کرو (مگر یاد رکھو) اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

مگر اسی کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی بھی ترغیب دیتا ہے (جیسا کہ آپ انفاق کی بحث میں پڑھ چکے ہیں) فراوانی مال ودولت کی مضرتوں سے جن میں سب سے زیادہ دوررس اور حب مال اور ہوس زراندوزی ہے معاشرہ کو محفوظ رکھنے کی غرض سے سختی کے ساتھ زراندوزی سے منع کرتا ہے اسی طرح ایک طرف اسراف وتبذیر سے اور دوسری طرف بخل و امساک سے منع کرتا ہے اور اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے رہنے کو خدا کا قرب حاصل کرنے اور عباد الرحمٰن کے مقدس زمرہ میں شامل ہونے کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ (قرآن کریم کی آیات اس سلسلہ میں آپ انفاق کے آخر میں پڑھ چکے ہیں۔

اسلامی معاشیات

خدمت

(مزدوری، نوکری، پیشے اور حرفے سب ہی معاشی دولت ہیں)

علم معاشیات کی اصطلاح کے مطابق خدمت (یعنی معاوضہ حاصل کرنے کی غرض سے، دوسرے کے لئے کام کرنا جس کو عرف میں مزدوری یا نوکری کہا جاتا ہے) بھی ایک طریق پیدائش دولت ہے، اس لئے کہ اس خدمت میں خدمت کرنے والے کی معاشی احتیاج پورا کرنے کا وصف بھی پایا جاتا ہے اور قابل استبدال بھی ہے یعنی اس خدمت کے عوض میں خدمت کرنے والا اپنی معاشی ضرورت کو پورا کرنے والی اشیاء، خواہ بصورت جنس خواہ بصورت زرنقد، حاصل کرتا ہے اور اجیر مزدور یا نوکر کے ساتھ ساتھ یہ خدمت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل بھی ہوتی ہے، اس لحاظ سے اس میں نقل پذیری کا وصف بھی موجود ہے، اس خدمت میں عامل ''پیدائش'' محنت ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں بھی جس طرح مال ''متقوم'' قیمت والی شے ہے، اسی طرح انسان کے ''منافع'' بھی متقوم (قیمت والی شے ہیں) اور جیسے مال کا تبادلہ مال کے ساتھ بیع وشراء کہلاتا ہے، اسی طرح منافع کا تبادلہ مال کے ساتھ اجارہ کہلاتا ہے۔[1]

فرق اتنا ہے کہ بیع وشراء میں تو دونوں طرف مال ہوتا ہے جو لیا اور دیا جاتا ہے اور اجارہ میں ''منافع'' چونکہ بالفعل موجود نہیں ہوتے، ہاں کام ختم ہونے کے بعد وجود میں آجاتے ہیں۔ اس لئے اجارہ ابتداء میں صرف ایک معاہدہ ہوتا ہے جو اجیر اور مستاجر (آجر) کے درمیان کیا جاتا ہے، ہاں انتہاءً (کام ختم ہونے پر) عقد بن جاتا ہے، اسی لئے کام ختم

(۱) الإجارة عقد یرد علی المنافع بعوض. الھدایة، کتاب الاجارات: ۳/۲۹۵، ط: رحمانیه کتب خانه.

ہونے سے پہلے اجیر معاوضہ (اجرت) کا مطالبہ نہیں کرسکتا[1]، اجارہ کے مفصل احکام کتب فقہ سے معلوم کیجئے[2]، لہٰذا جس طرح زراعت صناعت اور تجارت پیدائش دولت کے طریقے اور کسب معاش کے وسیلے ہیں، اسی طرح مزدوری کرنا یا نوکری کرنا بھی پیدائش دولت کا ایک طریقہ اور کسب معاش کا ایک وسیلہ ہے۔

انسان کی تمدنی زندگی میں اس خدمت کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کے بغیر عموماً انسان کسی بھی ذریعہ معاش سے روزی نہیں کما سکتا، مثلاً: ایک خود کاشت کرنے والا زمین کا مالک جس کے پاس کھیتی باڑی اور آب پاشی کے تمام لوازمات موجود ہیں، زمین بھی ہے، بیج بھی، ہل، بیل بھی ہیں اور آب پاشی کے لئے کنواں اور رہٹ بھی ہے، ضروری اخراجات کے لئے سرمایہ بھی ہے، ان تمام عوامل کے موجود ہونے کے باوجود وہ ہاریوں اور مزدوروں کا محتاج ہے جو کھیتی باڑی کے مختلف اور گوناگوں کاموں میں اس کا ہاتھ بٹائیں، اس لئے کہ وہ تنہا ان تمام کاموں کو انجام نہیں دے سکتا یا خوش اسلوبی کے ساتھ پیدا آور اور نفع بخش طریق پر انجام نہیں دے سکتا۔ غرض ایک خود کاشت زمین کا مالک کاشتکار بھی اول سے لے کر آخر تک ہر قدم پر ایسے لوگوں کا محتاج ہے جو اجرت پر اس کے لئے کام کریں، دوسری طرف یہ تمام ہاری اور مزدور بھی جو محنت کے علاوہ اور تمام عوامل پیداوار۔ زمین، بیج، ہل، بیل وغیرہ سے محروم ہیں، اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے اس زمین اور لوازمات زراعت وغیرہ کے مالک کے محتاج ہیں کہ اس کے لئے کام کر کے روزی کمائیں۔

یہی صورت حال تمام مذکورہ بالا وسائل معاش میں کارفرما ہے، خواہ صناعت ہو، خواہ تجارت، اس لحاظ سے ہر انسان کسب معاش میں دوسرے انسان کے تعاون کا محتاج ہے اور اسی باہمی احتیاج اور اس پر مبنی تعاون کا نام تمدن یا تمدنی زندگی ہے۔ یہ خالق کائنات کا وہ تکوینی نظام

(۱) الأجرة لا تجب بالعقد، و یستحق باحدی معانی ثلاثة: إما بشرط التعجیل أو بالتعجیل من غیر شرط أو باستیفاء المقصود علیه. الھدایة، باب الأجر متی یستحق: ۳/۲۹۷، ط: مکتبه رحمانیه۔

(۲) اجارہ میں ضروری ہے کہ: ۱- منافع معلوم ہو ۲- اجرت معلوم ہو ۳- جو چیز بیع میں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ اجارۃ میں اجرۃ بننے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے۔ ہدایہ، کتاب الاجارات: ۳/۲۹۶، ط: رحمانیہ کتب خانہ۔

ہے جس کی جانب آیت کریمہ ذیل میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿نحن قسمنا بينهم معيشتهم فى الحيٰوة الدنيا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتّخذ بعضهم بعضا سخر يّا﴾ [الزخرف:۳۲]

ترجمہ: ہم ہی نے دنیا کی زندگی میں ان کی معیشت کو تقسیم کیا ہے اور بعض کے درجے بعض پر بلند کئے ہیں، تاکہ ایک دوسرے سے کام لیں۔

اجارہ پر کام کرنا یعنی نوکری یا مزدوری کرنا خصوصاً بکریاں چرانا تو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت سے پہلے آٹھ یا دس سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائی ہیں، جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے[1]، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے فرعون مصر کے ہاں محکمہ تقسیم خوراک کے افسر اعلیٰ کی حیثیت سے ملازمت کی ہے:

﴿قال اجعلنى على خزائن الأرض إنّى حفيظ عليم﴾

[يوسف:۵۵]

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلا معاوضہ یتیموں کی شکستہ دیوار کی مرمت کر دینے پر حضرت خضر علیہ السلام سے کہا ہے کہ تم اس مرمت کرنے کی اجرت لے سکتے تھے:

﴿قال لو شئت لتّخذت عليه أجرا﴾[2] [الكهف: ۷۷]

سرور کائنات ﷺ نے بھی ابتدائی عمر میں چند قیراط (سکوں) کے عوض مکہ والوں کی

---

۱ ﴿قال إنّى أريد أن أنكحك احدى ابنتى هتين على أن تأجرنى ثمانى حجج فإن أتممت عشرا فمن عندك﴾ [القصص:۲۷] ان موسى أجر نفسه ثمان سنين أو عشرا على عفة فرجه وطعام بطنه، مشكوٰة المصابيح،كتاب البيوع،باب الاجارة،ص:۲۵۸،ط: الميزان

۲ عن النبى ﷺ قال ما بعث الله نبيا إلارعى الغنم فقال أصحابه : وأنت ؟فقال : نعم كنت أرعاها على قراريط لأهل مكه ، بخارى:۱/۳۰۱، كتاب الاجارات ، باب رعى الغنم على قراريط .ط: قديمى كراچى.

بکریاں چرائی ہیں اور صحابہ کرامؓ سے تو مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں یہودیوں تک کی نوکری کرنا ثابت ہے۔[1] غرض اسلام نہ صرف معاشی احتیاج کے تحت بلکہ صدقہ وخیرات کرنے کے لئے بھی ادنیٰ اور اعلیٰ ہر قسم کی نوکری اور مزدوری کرنے کی ہمت افزائی کرتا ہے، بشرطیکہ وہ کام شرعاً جائز اور حلال ہو۔

بہرحال یہ خدمت یعنی معاوضہ کی غرض سے دوسروں کے لئے کام کرنا' مشقت اٹھائے اور محنت کئے بغیر انجام نہیں دی جاسکتی خواہ یہ محنت ومشقت جسمانی ہو، جیسے زراعت میں ہاری کی

---

۱ ①عن على ابن أبى طالب رضى الله عنه يقول خرجت فى يوم شات من بيت رسول الله وقد أخذت أباهاً مقطونا فجوبت وسطه فأدخلته عنقى وشددت وسطى فخرمته بخوص النخل وإنى لشديد الجوع ولو كان فى بيت رسول الله طعام لطعمت منه فخرجت التمس شيئا فمررت بيهودى فى مال له وهو يسقى ببكرة له فاطلعت عليه من ثلمة فى الحائط فقال مالك يا أعرابى هل لك فى دلو بتمرة فقلت نعم فافتح الباب حتى أدخل ففتح فدخلت ،فأعطانى دلوه فكلما نزعت دلواأعطانى تمرة حتى) اذا امتلأت كفى ارسلت دلوه وقلت حسبي فاكلتها ثم جرعت من الماء فشربت ثم جئت المسجد فوجدت رسول الله فيه ، ترمذى: ۲/۷۴، ابواب صفة القيمة، ط: سعيد كراچى.

②عن ابن عباس قال اصاب نبى الله خصاصة فبلغ ذلك عليا فخرج يلتمس عملا يصيب فيه شيئا ليقيت به رسول الله فاتى بستانا لرجل من اليهود فاستقى له سبعة عشر دلو ا كل دلو بتمرة فخيره اليهودى من تمرة سبع عشرةعجوة فجاء بها الى النبى ،ابن ماجه ،ص:۱۷۸، ابواب الرهون باب الرجل يستقى كل دلو بتمرة و يشترط جلدة، ط: نور محمد كتب خانه، ۳:عن ابى هريرة قال جاء رجل من الانصار فقال يا رسول الله ما لى ارای لو نك منكفتاً قال الخمص فانطلق الانصارى الى رحله فلم يجد فى رحله شيئا فخرج يطلب فاذا هو بيهودى يسقى نخلا فقال الانصارى لليهودى اسقى نخلك قال نعم قال كل دلوبتمرة واشترط الانصارى ان لا ياخذ خدرة ولا تارزة ولا حشفة ولا ياخذ الا جلدة،فاستقى بنحو من صاعين فجاء به الى النبى .ابن ماجه ،ص:۱۷۸، ابواب الرهون باب الرجل يستقى كل دلو بتمرة ،ط: نور محمد كتب خانه كراچى.

محنت اور صنعت میں مزدور کی محنت خواہ دماغی اور فکری ہو، جیسے ایک طبیب کی محنت ومشقت مریض کے مرض کی تشخیص اوراس کے بعد علاج معالجہ میں یا ایک وکیل کی محنت ومشقت کسی مقدمہ (کیس) کی پیروی کرنے میں یا ایک معلم کی محنت ومشقت اپنے شاگردوں کی تعلیم اور ذہنی تربیت میں یا سرکاری محکمہ کے افسر اور کلرک کی محنت ومشقت مفوضہ خدمات کو بطریق احسن انجام دینے میں علی ہذاالقیاس۔

علماء معاشیات' جسمانی مشقت اٹھانے والے تمام طبقوں کو محنت کش یا مزدور کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور دماغی محنت کرنے والوں کو ملازمین کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور جو اہل حرفہ یا ماہرین فن اپنی فنی مہارت سے ہر ضرورتمند کا کام انجام دیتے اور معاوضہ لیتے ہیں، ان کے حرفے یا فن کی نسبت سے الگ الگ ناموں سے یاد کرتے ہیں، مثلاً: دھوبی' حجام' موچی وغیرہ یا طبیب' وکیل' انجینیئر وغیرہ۔

فقہ اسلامی کی اصطلاح میں پہلی قسم کے کام کرنے والوں کو مثلاً: ہاری' مزدور' حمال (بارکش وغیرہ) کو اجیر خاص کہتے ہیں، یعنی ایسا اجارہ پر کام کرنے والا جو ایک وقت میں ایک ہی مستاجر (یعنی آجر) کا کام کرتا ہے، خواہ روزنداری پر ہو خواہ ہفتہ واری' خواہ ماہانہ اور دوسری قسم کے کام کرنے والوں کو اجیر مشترک یا اجیر عام کہتے ہیں، جیسے اہل حرفہ میں دھوبی' موچی وغیرہ اور اہل فن میں طبیب' وکیل وغیرہ۔

فقہی احکام! چونکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے اصلی مقصد حلال روزی کمانا ہے، اس لئے فقہ اسلامی کی رو سے تمام عقود اور معاملات میں ایسی جہالت (ترک تعیین) جو نزاع کا موجب ہو سکے عقد کو فاسد اور ناجائز بنادیتی ہے، خصوصاً اجارہ کہ اس میں منافع کا تبادلہ مال سے ہوتا ہے اور منفعتین کوئی ایسی مادی چیز نہیں ہیں جو اجارہ کے وقت موجود ہوسکیں، وہ تو جوں جوں اجیر کام کرے گا حاصل ہوں گی اور کام پورا ہوجانے کے بعد مشخص ہوں گی، مگر قطع نزاع کی غرض سے بہرحال ان کی تعیین وتشخیص ضروری ہے، اسلئے فقہ اسلامی نے اجیر خاص کی صورت میں منافع کی تعیین کا ذریعہ وقت اور عمل کو قرار دیا ہے، مثلاً: ہاری یا مزدور روزانہ آٹھ گھنٹہ فلاں ایک یا چند

متعارف کام کرے گا اور اتنی اجرت لے گا۔ اس وقت میں نہ وہ کسی دوسرے کا یا اپنی ذات کا کوئی کام کرسکتا ہے نہ ہی بیکار ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ سکتا ہے، اس کے برعکس اجیر مشترک کے منافع کی تحدید ''عمل'' اور کام سے ہوتی ہے خواہ اس میں کتنا ہی وقت صرف ہو اور اجرت بھی اسی عمل اور کام کی ہوتی ہے، اجیر عام یا اجیر مشترک ایک ساتھ کئی مستاجروں (آجروں) کے کام بھی کرتا ہے، ہاں اگر کام ایسا ہو کہ اس کی مدت مقرر کی جاسکتی ہو تو اس مدت میں کام کردینا ضروری ہوگا۔

بہرصورت اجارہ کے شرعاً صحیح اور جائز ہونے کے لئے عقد (یعنی معاہدہ) کے وقت منافع اور اجرت دونوں کی ایسی تحدید وتشخیص ضروری ہے کہ حتی الامکان کوئی جھگڑے کی صورت نہ پیدا ہو ورنہ اجارہ فاسد ہوگا۔

بہرحال علم معاشیات کے نقطۂ نظر سے خدمت یعنی مزدوری یا نوکری کسب معاش کا سب سے زیادہ وسیع اور ہمہ گیر (دنیا کی ۹۹ فیصد آبادی مزدور پیشہ اور نوکری پیشہ ہے) ذریعہ اور پیدائش دولت کا طریقہ ہے اور اس ذریعہ معاش میں اولین عاملِ پیداوار دولتِ انسان کی محنت ومشقت ہے، خواہ جسمانی مشقت ہو، خواہ دماغی محنت اور ان دونوں کا مدار جسمانی قوت (توانائی) پر ہے۔ تجربہ بھی شاہد ہے اور ماہرین طب کا بھی فیصلہ ہے کہ جس قدر جسمانی صحت وقوت بہتر ہوتی ہے اسی قدر دماغی توانائی اور عقلی وفکری رسائی بھی بہتر ہوتی ہے۔

لہذا جو انسان جس قدر مشقت اٹھانے اور محنت کرنے کی اہلیت وصلاحیت زیادہ رکھتا ہوگا اسی قدر اس کی محنت-علم معاشیات کے مطابق-زیادہ پیدا آور ہوگی اور وہ اس ذریعہ معاش سے زیادہ سے زیادہ معاشی استفادہ کرسکے گا اور جس قدر یہ اہلیت وصلاحیت کم ہوگی اسی قدر اس کی محنت کم بارآور یا غیر پیدا آور ہوگی-اسی لئے علماء معاشیات نے محنت (یاد رکھئے یہ محنت اس محنت سے مختلف ہے جو زراعت' صناعت اور تجارت کا ایک عامل پیداوار ہے، وہ محنت اپنی ذات کے فائدہ کے لئے ہوتی ہے اور یہ محنت دوسرے کے لئے، سادہ لفظوں میں اس محنت میں محنت کش اپنے لئے کام کرتا ہے، اس محنت میں دوسرے کے لئے کام کرتا ہے، یہ صرف اجرت یا تنخواہ کے لئے کام کرتا ہے، کام کے منافع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا) کی تین قسمیں تین طرح بیان کی ہیں: ایک جسمانی

دو ماغی محنت، دوسرے بامہارت و بے مہارت محنت، تیسرے پیدا آور وغیر پیدا آور محنت۔

بہرصورت قرآن حکیم نے ان دونوں قسم کی مشقتوں اور محنتوں کی نہ صرف آخرت بلکہ دنیا میں بھی زیادہ سے زیادہ کامیابی وبارآوری کے لئے جسمانی اور دماغی مشقت ومحنت کے ساتھ امانت ودیانت کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔

جسمانی مشقت کے ساتھ امانت کا اضافہ حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کی زبان سے حسب ذیل آیت کریمہ میں فرمایا ہے:

﴿یا ابت استأجره إنّ خير من استأجرت القوی الامين﴾

ترجمہ: اباجان! انہیں ملازم رکھ لیجئے بہترین ملازم جسے آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو۔ [القصص:۲۶]

یہ مشورہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی جسمانی قوت وچستی اور امانت ودیانت کا مشاہدہ کرنے کے بعد جس کا ذکر اس سے اوپر کی آیات میں موجود ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مویشی چرانے اور گلہ بانی پر نوکر رکھنے کے لئے دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو نقل فرما کر اس کی تصدیق وتصویب فرمائی ہے۔

دماغی محنت' انتظامی قابلیت اور فنی مہارت کے ساتھ امانت ودیانت کا اضافہ حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر اور محکمہ خوراک کے افسر اعلیٰ (فوڈ منسٹر) کے عہدہ پر مقرر کرنے کے موقعہ پر پادشاہ مصر کی زبان سے فرمایا ہے اور اس کو نقل فرما کر اس کی تصویب فرمائی ہے ارشاد ہے:

﴿فلمّا كلّمه قال إنّك اليوم لدينا مكين أمين قال اجعلني على خزائن الأرض إنّي حفيظ عليم﴾ [یوسف:۵۴،۵۵]

ترجمہ: جب پادشاہ حضرت یوسف سے گفتگو کر چکا تو کہا بے شک تم آج سے ہمارے نزدیک باختیار امین ہو' یوسف نے کہا مجھے زمین کے خزانوں (پیداوار) پر مقرر کر دیجئے، میں بہت نگہبان واقف کار ہوں۔

یہ حقیقت ہے کہ مزدوری یا نوکری کے ذریعہ کسب معاش میں سب سے زیادہ کامیاب وہی مزدور یا ملازم ہوتا ہے جو محنتی ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کا دیانتدار اور امانتدار ہو، آجر

کیسا ہی قسی القلب اور سخت گیر کیوں نہ ہو وہ بھی ایسے مزدور یا ملازم کو انتہائی فراخدلی سے پوری اجرت جس کا وہ مستحق ہوتا ہے دیتا ہے اور اس کی قدر کرتا ہے۔

اس کے برعکس اگر اجیر مزدور یا ملازم کام چور، کاہل اور خیانت کار ہو کہ اجرت یا تنخواہ تو آجر سے لے اور کام کرے کسی اور کا، یا اپنا ذاتی، نیز اجرت یا تنخواہ بڑھانے کے مطالبہ میں تو سب سے آگے ہو اور کام ڈھیلے کا کر کے نہ دے، ایسے اجیر قرآن کریم کی آیت کریمہ ذیل میں مذکور مطففین کا مصداق ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿ويل للمطفّفين الذين إذا اكتالوا على النّاس يستوفون وإذا كالوهم أو وزنوهم يخسرون﴾ [المطففين:۱تا۳]

ترجمہ: بڑی ہی تباہی ہے گھٹانے والوں کے لئے جو جب لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا پورا لیں اور جب لوگوں کو ناپ کر دیں یا تول کر دیں تو ان کو نقصان پہونچائیں (لینے کے پیمانے اور باٹ اور رکھیں، دینے کے اور)۔

خیانت کار اور کام چور اجیروں کی طرح وہ سخت گیر جفا کار اور قسی القلب آجر بھی مطففین کا مصداق ہیں جو کام تو لیتے ہیں مزدوروں یا ملازموں کے سر پر شیر کی طرح سوار ہو کر اور اجرت یا تنخواہ دیتے وقت ان کا دم نکلتا ہے' بلکہ اجرت یا تنخواہ کاٹنے کے لئے طرح طرح کے حیلے تراشتے ہیں اور کچھ نہیں تو ٹال مٹول کر کے دق تو ضرور ہی کرتے ہیں، اسی لئے نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے: "مطلّ الغنی ظلم" یعنی دولتمند کا ٹالنا ظلم ہے۔ [1]

حدیث قدسی میں ہے کہ:

"ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة... ورجل استاجر أجيرا فاستوفى منه ولم يعطه أجره". [2]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب فی الاستقراض، باب مطل الغنی ظلم :۳۲۳/۱، ط: قدیمی کراچی.

[2] صحیح البخاری :۳۰۲/۱، کتاب الاجارات، باب اثم من منع اجر الاجیر . ط: قدیمی کراچی

ترجمہ: ''اللہ پاک فرماتے ہیں: تین آدمی ہیں جن کا میں دشمن ہوں (جن میں سے) ایک وہ شخص ہے جس نے کسی اجیر سے اجارہ پر کام کرایا اپنا کام تو پورا لے لیا اور اس کی اجرت اس کو دی نہیں''۔

قرآن کریم دونوں فریق آجر اور اجیر کو اجارہ کے وقت جو کچھ طے ہوتا ہے اس کا پابند بناتا ہے:

﴿یا أیها الذین آمنوا أوفوا بالعقود﴾ [المائدہ:۱]

ترجمہ: ''اے ایمان والوں اپنے معاہدوں کو پورا کیا کرو''۔

اور اس کی خلاف ورزی جو خیانت ہے خواہ کسی بھی طرف سے ہو اس سے منع کرتا ہے:

﴿یا أیها الذین آمنوا لا تخونوا الله و الرسول و تخونوا أماناتکم﴾ [الانفال:۲۷]

ترجمہ: ''اے ایمان والوں اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں بھی خیانت مت کرو''۔

اس کے بالمقابل ہر دو فریق کو امانت کو ادا کرنے کا حکم دیتا ہے:

﴿إنّ الله یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أهلها﴾ [النساء:۵۸]

ترجمہ: ''بیشک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ادا کرو''۔

نبی رحمت ﷺ بھی اس شخص کو ایمان سے محروم قرار دیتے ہیں جس میں امانت نہ ہو، ارشاد ہے: ''لا إیمان لمن لا أمانة له'' [۱]

ترجمہ: ''جس شخص میں امانت نہیں، اس کا ایمان (بھی معتبر) نہیں''۔

بہر حال اجارہ ایک ایسا عقد اور معاملہ ہے کہ اگر اجیر اور آجر دونوں کے دلوں میں خدا کا خوف اور آخرت کی پکڑ کا ڈر اور اس کے نتیجہ میں اجیر کے اندر ایمانداری اور دیانتداری کا جذبہ اور آجر کے دل میں عدل وانصاف اور ظلم وجور سے احتراز کا جذبہ کار فرما نہ ہو تو آجر اور اجیر کی

(۱) رواہ البیهقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ، کتاب الایمان، الفصل الثانی، ص: ۱۵، ط: المیزان.

باہمی کش مکش اور آئے دن کے جھگڑے اور اس کے نتیجہ میں معاشی فساد اور بد امنی محض معاشی قوانین کے ذریعہ نہ آج تک ختم ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔

اس کے برعکس اگر آجر اور اجیر کا یہ ناگزیر معاشی تعاون قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں بر وتقویٰ اور امانت داری ودیانتداری کی بنیادوں پر استوار ہو تو آجر واجیر کا یہ ناگزیر ربط وتعلق باہمی اخوت وہمدردی کی بنیاد پر قائم اور خوشگوار رہ سکتا ہے، اجیر انتہائی دیانتداری وایمانداری کے ساتھ مقدور بھر محنت کرنے اور کام کرنے میں کسر نہ کرے اور آجر انتہائی فراخدلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ از روئے انصاف واستحقاق اجرت دینے میں کوتاہی نہ کرے، بلکہ اس حقیقت کے پیش نظر کہ ہر دو فریق کسب معاش میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں، اجیر کام کرتے وقت یہ محسوس نہیں کرے گا کہ میں کسی دوسرے کے لئے کام کر رہا ہوں بلکہ یہ باور کرے گا کہ یہ میں اپنے ہی لئے کام کر رہا ہوں اور آجر اجرت دیتے وقت یہ محسوس نہیں کرے گا کہ میں ان کو اپنے پاس سے کچھ دے رہا ہوں' بلکہ یہ انہی کی کمائی ہے جو ان کے حصہ کے بقدر ان کو دے رہا ہوں۔

مبادلہ دولت

خدمت کا معاوضہ یا محنت کی قیمت (اجرت)

کمیونسٹ اور سوشلسٹ بلاک کے معاشیین -علماء معاشیات- نے جس طرح قومیانے -قومی ملکیت میں لینے- کے پُرفریب نام سے انفرادی ملکیت کو ختم کر کے زمین اور اس سے برآمد ہونے والی تمام معاشی اشیاء یعنی دولت کا اور تمام فیکٹریوں' ملوں اور کارخانوں اور ان کی پیداوار یعنی مصنوعات کا اور تمام تجارتی فرموں اور کمپنیوں کا واحد مالک اسٹیٹ -حکومت- کو بنادیا، اسی طرح ان معاشیین نے کمیونسٹ اور سوشلسٹ ممالک کے تمام محنت کشوں -ہاریوں' مزدوروں اور ملازموں کی محنت اور اہل حرفہ- ڈاکٹروں' وکیلوں' انجینئروں اور پیشہ وروں کی خدمات کا بھی اسی قومی ملکیت کے عنوان سے واحد مالک اسٹیٹ کو بنادیا، یعنی ملک کے تمام باشندوں کو حکومت کا غلام بنادیا اور جس طرح ایک آقا اپنے غلاموں کی ضروریات زندگی اور

ضروریات کارکردگی کا کفیل ہوتا ہے اسی طرح کمیونسٹ اور سوشلسٹ حکومتوں نے اسٹیٹ کی طرف سے کھانے، پینے کے لئے سرکاری ہوٹل اور کینٹین ہر طبقہ کے لئے الگ الگ کھول دیئے ہیں کہ ہر طبقہ کے افراد زن ومرد وہاں جا کر ماحضر کھا پی لیں، رہنے کی لئے ہر طبقہ کے مناسب سرکاری کوارٹر، کوٹھیاں اور بنگلے بنا دیئے ہیں ان میں رہائش اختیار کریں، دوا علاج کے لئے سرکاری ہسپتال اور ڈسپنسری کھول دی ہیں وہاں جا کر علاج کرالیں دوا لے لیں، تفریحات کے لئے پارک، سیر گاہیں، سینما، تھیٹر، ہال روم (رقص گاہیں) اور کلب کھول دیئے وہاں جا کر تفریح کرلیں، جولڑکا لڑکی یا مرد وعورت آپس میں مانوس ہو جائیں وہ رجسٹریشن آفس میں جا کر شادی کا رجسٹریشن کرالیں، مگر اولاد ان کی نہ ہوگی بلکہ اسٹیٹ کی ہوگی، حاملہ عورت سرکاری میٹرنٹی ہوم (زچہ خانے) میں جا کر بچہ جن آئے گی حکومت اس کو پالے پرورش کرے گی، جب ایک دوسرے سے سیر ہو جائیں عدالت میں جا کر شادی کا رجسٹریشن فسخ کرالیں اور طلاق لے لیں، یہ وہ ننگ انسانیت غلامی ہے کہ چشم فلک نے روئے زمین پر آج تک فرزند آدم کی ایسی روسیاہی یقیناً نہیں دیکھی ہوگی۔

یہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ بلاک کے معاشیین اس حقیقت پر دبیز علمی پردہ ڈالنے کی غرض سے محنت کی قیمت یعنی اجرت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

محنت کی قیمت یعنی اجرت وہ معاشی دولت ہے جسے مزدور اپنی محنت سے پیدا کرتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حکومت کو چاہئے کہ ملک کی معاشی منصوبہ بندی کرے تاکہ ملک کے ہر فرد کی معاشی ضروریات مساوی طور پر پوری ہوتی رہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ حکومت اول پورے ملک کی جملہ معاشی ضروریات - غذا، لباس، مکان وغیرہ - کا سروے کرے کہ ملک کی پوری آبادی کو سال بھر میں مثلاً کتنا غلہ درکار ہوگا، کتنا کپڑا درکار ہوگا اور کتنے مکان درکار ہوں گے علی ہذا القیاس اور اس طرح جملہ ضروریات زندگی وضروریات کارکردگی اور تفریحات کی مساوی اور کوالٹی (نوعیت) کے لحاظ سے درجہ بندی کر کے تمام معاشی اشیاء کی مقدار متعین کرے، اس کے بعد اسی طرح محنت کشوں - کسانوں، کاریگروں، مزدوروں اور اہل حرفہ کی نوعیت (کوالٹی) کے اعتبار سے درجہ بندی کر کے ان کی تعداد اور

کارکردگی کی مقدار متعین کرے کہ ملک میں مثلاً اتنے کسان ہیں اتنے ہاری اور اتنے مختلف صنعتی اداروں میں کام کرنے والے مزدور ہیں اور اتنے معمار ہیں اتنے ڈاکٹر ہیں اتنے وکیل ہیں۔

ان دونوں چیزوں کے سروے کو سامنے رکھ کر معاشی منصوبہ بنائے کہ ملک کے مثلاً: کسان روزانہ اتنے گھنٹے سرکاری فارموں میں کام کر کے فلاں فلاں قسم کا غلہ پیدا کریں، حکومت ان کی سال بھر کی ضرورت کے بقدر ان کو اتنا اتنا غلہ (یا اس کے مساوی زر نقد یعنی اجرت) دے گی، ملک کے اتنے اتنے ٹیکسٹائل ملوں میں کام کرنے والے کاریگر اور مزدور روزانہ اتنے گھنٹے کام کر کے فلاں فلاں قسم کا اتنا اتنا کپڑا تیار کریں، حکومت ان کو سال بھر کی ضرورت کے بقدر اتنا اتنا کپڑا (یا اس کے مساوی زر نقد یعنی اجرت) دے گی علی ہذا القیاس۔

غرض معاشی ضروریات (دولت) کے ہر ہر شعبہ میں اعلیٰ ادنیٰ اور متوسط اشیاء اور ان کو مہیا کرنے والوں کی درجہ بندی اور کام اور اس کے اوقات کی تعیین کر دیتی ہے اور ملک کے تمام محنت کش - کسان کاریگر اور مزدور - سال بھر مقررہ وقت اور مقدار کے مطابق اپنی محنت سے دولت - معاشی اشیاء - پیدا کرتے ہیں اور اس کا معاوضہ (اجرت یا قیمت) اپنی پیدا کردہ دولت - معاشی اشیاء (یا ان کے مساوی زر نقد) - سے ہی حصہ رسد حاصل کرتے ہیں۔ یہی معنی ہیں اس نظریہ کے کہ: محنت کی قیمت وہ معاشی دولت ہے جسے محنت کش اپنی محنت سے پیدا کرتا ہے۔

محنت کی اجرت (قیمت) کا یہ نظریہ زیب قرطاس تو بن سکتا ہے مگر اس کی عملی صورت وہی مشینی زندگی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا۔ یعنی ملک کے تمام کام کرنے کے قابل افراد مرد ہوں یا عورت مشین کے پرزوں کی طرح بلا ارادہ واختیار - خواہی نخواہی اپنی اپنی جگہ اپنا اپنا کام کرنے پر مجبور ومقہور ہیں، (تفصیل کے لئے دیکھئے کتابچہ سوشلزم اور مزدور شائع کردہ مجلس دعوت الحق کراچی)۔

اس استحصال بالجبر کی صورت میں کمیونسٹ اور سوشلسٹ ممالک میں اشیاء کی قیمتیں اور محنت کی اجرتیں (قیمتیں) من مانے طریق پر گھٹانے بڑھانے کے لئے قانون رسد وطلب، قانون تقلیل حاصل وتکثیر حاصل وغیرہ کا جال بچھانے اور محنت کش عوام کو اس میں پھانسنے کی

ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

سرمایہ دار ممالک کے معاشیین نے سرمایہ دار حکومتوں کے بڑے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کے بڑی بڑی فیکٹریوں، ملوں تجارتی کمپنیوں اور بینکاروں کے سرمایہ دارانہ مفادات کے تحفظ یعنی ملک کے معاشی استحصال کے لئے اشیاء کی قیمتیں اور محنت کی اجرتیں من مانے طریق پر گھٹانے بڑھانے کے جواز کے لئے "طلب ورسد" کے قانون کا ایسا پیچ در پیچ گورکھ دھندا بنایا اور چکر چلایا ہے کہ سرمایہ دار طلب ورسد کے گھٹنے بڑھنے کے نام سے جب چاہیں اور جیسے چاہیں معاشی اشیاء کی قیمتیں بڑھا دیں اور محنت کشوں کی اجرتیں گھٹا دیں اور حکومتیں ٹیکس وصول کرنے کے لئے جتنی چاہیں قیمتیں اور اجرتیں لگالیں تاہم قانون رسد وطلب کا عام فہم خلاصہ حسب ذیل ہے:

محنت کی رسد وطلب کے معنی اور قانون رسد وطلب کا خلاصہ

محنت کے سلسلہ میں رسد سے مراد محنت کشوں، کسانوں کاریگروں اور مزدوروں کی وہ تعداد ہے جو مزروعہ زمینوں، کارخانوں، ملوں اور فیکٹریوں میں کام کرنے کے لئے درکار ہو۔ طلب سے مراد زرعی یا صناعتی پیداوار کی وہ مقدار ہے جس کی ملک میں مانگ ہے، مثلاً: ملک میں مختلف قسم کے ایک کروڑ تھانوں کی مانگ اور کھپت ہے جس کے تیار کرنے کے لئے دس ہزار کاریگروں اور مزدوروں کی ضرورت پڑتی ہے جو ٹیکسٹائل ملوں میں موجود ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ رسد وطلب برابر ہیں، اس صورت میں مصارف پیداوار یعنی خام پیداوار یعنی روئی وغیرہ مل کے تنصیبی اخراجات، مشنری کی فرسودگی کی قیمت، مصارف تنظیم یعنی منافعہ، حکومت کا ٹیکس، بینکوں کے سود، بیمہ پالیسی وغیرہ نکال کر باقی آمدنی میں سے محنت کشوں کو مناسب اجرت، محنت کی قیمت کے طور پر دی جائے گی، واضح ہو کہ اس مناسب اجرت کی تعیین سے یہ معاشیین بالکل خاموش بلکہ عاجز ہیں۔ لیکن اگر محنت کشوں کی تعداد اس سے زیادہ ہو جتنی ملوں اور فیکٹریوں کو ضرورت ہے اور طلب

بحالہ قائم ہو تو محنت کشوں کی بہتات کی وجہ سے محنت کی رسد طلب سے بڑھ جائے گی اور اس کے نتیجہ میں محنت کا نرخ گر جائے گا اور اجرتیں کم ہو جائیں گی اور اگر کپڑے کی طلب بڑھ جائے ایک کروڑ کے بجائے سوا کروڑ تھانوں کی ملک میں مانگ ہو اور رسد بحالہ قائم رہے تو اس طلب کو پورا کرنے کے لئے محنت کشوں کی کمیابی یا نایابی کی وجہ سے محنت کا نرخ بڑھ جائے گا اور اجرتیں زیادہ ہو جائیں گی۔

یہ نہ سمجھئے کہ قانون رسد وطلب اتنی ہی آسان اور سادہ سی چیز ہے بلکہ اس پر اثر انداز ہونے والے سرمایہ دارانہ معاشیات کے دوسرے قوانین مثلاً تقلیل حاصل وتکثیر حاصل، افادۂ کلی وافادۂ مختتم اور محنت واجرت کی گونا گوں قسمیں، اشیاء صرف کی گرانی وارزانی کی بحثوں نے اس قانون کو ایسا گورکھ دھندا بنا دیا ہے کہ اس قانون کے ذریعہ نہ اشیاء کی قیمتیں متعین کی جاسکتی ہیں نہ محنت کی اجرتیں حکومت کے ٹیکسیشین (ٹیکس تشخیص کرنے والے) اور سرمایہ دار جتنی چاہیں قیمتیں اور اجرتیں لگالیں۔

اسلام کا معاشی نظام اور اسلامی معاشیات ان تمام لعنتوں اور انسانیت کش اغراض سے پاک ہے اور سرتاسر انسانی زندگی کی فلاح وبہبود پر مبنی ہے، اس لئے اس کا اساسی قانون، عدل ومساوات اور اداء امانات پر مبنی ہے وہ ہر معاشی نزاع، کش مکش اور فساد کو اسی اصول پر رفع کرتا ہے خالق کائنات کا حکم ہے:

﴿إنّ الله يأمركم أن تؤدّوا الأمانات إلى أهلها و إذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل﴾ [النساء:۵۸]

ترجمہ: "بیشک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں ادا کرو اور جب تم لوگوں کے فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو"۔

اس لئے مناسب یہ ہے کہ اول زمیندار اور ہاری اور کارخانہ دار ومزدور کے درمیان کشاکش اور نزاع کا جائزہ لیا جائے، اس کے بعد قرآن حکیم کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق نزاع اور کش مکش کو رفع کیا جائے۔

دقیق جائزہ لینے سے ثابت ہوتا ہے کہ اجیر اور آجر کے اس ناگزیر معاشی تعلق میں فساد

کی ابتداء آجروں کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ کارخانہ دار اور مل مالکان صنعتی پیداوار کے تمام عوامل مل کی عمارت، مشنری اور خام پیداوار پر تو نہایت فیاضی سے اصل کو مشغول کرتے ہیں، یعنی سرمایہ خرچ کرتے ہیں، لیکن دو مدوں پر پیسہ خرچ کرتے ہوئے ان کا دم نکلتا ہے، ایک حکومت کا ٹیکس، دوسرے کاریگروں اور مزدوروں کی اجرتیں، ٹیکس تو حکومت ڈنڈے کے زور سے وصول کر ہی لیتی ہے، وہ کیسے ہی جعلی حسابات بنائیں، ٹیکس وصول کرنے والے اگلوا ہی لیتے ہیں، لیکن محنت کشوں کا چونکہ کوئی ایسا والی وارث نہیں جو ان کی پوری پوری اجرتیں انہیں دلوائے اور ان کے مفاد کا تحفظ کرے، اس لئے خودغرضی اور ہوس زراندوزی ان کی چشم بصیرت کو اندھا کر دیتی ہے اور وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ اگر محنت کش طبقہ نہ ہو تو وہ خود اپنی اور اپنے اہل وعیال کی معاش سے ترس جائیں، ان کا یہ ترفہ وتنعم سب انہی محنت کشوں کی محنت ومشقت کا مرہون منت ہے اور چونکہ بدقسمتی سے محنت کشوں کی تعداد آجروں اور مل مالکان کی نسبت سے اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ایک اور سو کی نسبت بھی مشکل ہی سے ہوتی ہے، اس لئے وہ محنت کشوں کی افراط وفراوانی کے بھروسہ پر ان کی حق تلفی اور ظلم وجور کرنے پر شیر کی طرح دلیر ہوتے ہیں، اگر محنت کش اپنے حقوق کے مطالبہ اور آجروں کے ظلم وجور کے خلاف احتجاج کرتے ہیں، یعنی ہڑتالیں کرتے ہیں تو مالکان بے دھڑک ان کاریگروں اور مزدوروں کے لیڈروں کو کارخانہ سے برطرف کر دیتے ہیں اور ان کی جگہ فوراً دوسرے کاریگر اور مزدور بھرتی کر لیتے ہیں، اس ظلم وجور کی داد وفریاد سننے والا کوئی نہیں ہوتا، نام کے لئے حکومت کی طرف سے لیبر کمشنر مقرر ہوتے ہیں مگر وہ بھی طلائی زنجیروں میں اسیر ہونے کی وجہ سے ان کارخانہ داروں اور مل مالکوں کے خلاف کوئی موثر اور عبرت ناک اقدام نہیں کرتے اور یہ برطرف شدہ محنت کش اور ان کے اہل وعیال فقر وفاقہ کے چنگل میں گرفتار ہو جاتے ہیں، اس بے کسی اور بے بسی کو دیکھ کر تمام محنت کش طبقہ آجروں کے ظلم وجور سہنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اسی کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی کام چور بن جاتے ہیں، کام سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں رہتی، بلکہ منتقمانہ جذبہ کے تحت نقصان پہنچانے کی فکر میں رہتے ہیں اور جونہی ان آجروں اور ان کے ظلم وجور کے خلاف کوئی عوامی مظاہرہ یا عمومی ہڑتال ہوتی ہے، انتہائی

بیدردی اور بے رحمی کے ساتھ ان کی املاک کو نقصان پہنچانے توڑ پھوڑ کرنے اور آگ لگانے میں دریغ نہیں کرتے اور تنگ آمد بجنگ آمد کے بمصداق مارنے مرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

ہاریوں کی حالت تو اس سے بھی زیادہ تباہ ہے، وہ تو زمینداروں کے خلاف دم بھی نہیں مار سکتے، آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ فلاں دیہات میں ہاریوں نے زمیندار کے خلاف کبھی کوئی مظاہرہ کیا ہو یا ہڑتال کی ہو، یہی نہیں، بلکہ ہاری تو زمیندار کی مرضی کے خلاف اپنے بیٹا بیٹی کی شادی بھی نہیں کر سکتے، ان کی بہو بیٹیوں کی عزت وآبرو بھی زمیندار یا اس کی اولاد کی دستبرد سے محفوظ نہیں ہوتی۔ زمینداروں کی اس فرعونیت کا سبب بھی وہی اندھی خودغرضی اور ہوس زراندوزی ہے اور چونکہ ان کو حکومت کا یا عوامی مظاہروں کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا، اس لئے وہ ان کے ساتھ بالکل ڈھور ڈنگروں کا سا معاملہ کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ ہاری بھی انتہائی بددلی اور کاہلی کے ساتھ کام کرتے ہیں اور انہیں زمیندار کے نفع نقصان سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، بلکہ جان بوجھ کر مالک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں یا نقصان ہوتا رہتا ہے اور دیکھتے رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آجروں کے حقوق اجیروں کے ذمہ اور اجیروں کے حقوق آجروں کے ذمہ دوطرفہ امانتیں ہیں جن کا ادا کرنا خالق کائنات کے حکم:

﴿إنّ الله يأمركم أن تؤدّو الأمانات إلى أهلها﴾ [النساء:۵۸]

ترجمہ: بیشک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں ادا کرو۔

کے تحت دونوں فریق پر فرض ہے، لیکن اگر یہ دونوں فریق یا ان میں سے کوئی ایک فریق اس فرض کو ادا نہ کریں اور یہ اتلاف حقوق ملک کی معاشی بدامنی اور فساد کا موجب بن جائے تو اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اللہ جل شانہ کے حکم:

﴿و إذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل﴾ [النساء:۵۸]

ترجمہ: اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو تم عدل وانصاف سے فیصلہ کرو۔

کے تحت عدل ومساوات کی بنیاد پر اس نزاع کو رفع کرے اور فریقین کو ایسا طریق کار اختیار کرنے پر مجبور کرے جس سے فریقین کے حقوق ادا ہوتے رہیں، معاشی نقطۂ نظر سے اس کی واحد صورت یہ ہے کہ اس صنعتی ترقی کے دور میں جبکہ تمام صنعتی کاروبار بر پیمانہ کبیر (بڑے پیمانہ

پر) ہورہے ہیں اورانفرادی کے بجائے باہمی اشتراک سے ہورہے ہیں،اس لئے کہ بڑے پیمانہ پرکاروبار کے لئے اتنے وافر سرمایہ (اصل) کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک فرد اتنا سرمایہ نہیں لگاسکتا اور جو سرمایہ دار لگا بھی سکتے ہیں وہ بھی کسی ایک کاروبار میں اپنا تمام سرمایہ یا اس کا بڑا حصہ لگا دینا پسند نہیں کرتے بلکہ مختلف اور متعدد کاروبار میں سرمایہ کو پھیلانا چاہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ملک کی تمام فیکٹریاں اور مل لمیٹڈ ہوتے ہیں اور ان کے حصص کھلے بازار میں فروخت کئے جاتے ہیں اور اس طرح لاکھوں کروڑوں روپے کے سرمایہ سے تمام بڑے بڑے مل اور فیکٹریاں چل رہی ہیں۔

ایسی صورت میں محنت کشوں کو آجروں کے ظلم وجور سے بچانے اور ان کے حقوق ومفادات کے تحفظ کی خاطر اسلامی حکومت ہر مشترک سرمایہ سے چلنے والے صنعتی کاروبار پر یہ پابندی عائد کردے کہ اس کے پچاس فیصد حصص محنت کشوں کاریگروں، مزدوروں اور تیسرے درجہ کے ملازمین کے لئے مخصوص ہوں گے جو سالانہ بونس کی رقم کے عوض خرید کر ان کے نام کردئے جائیں گے، یعنی بونس کی رقم نقد ان کے ہاتھ میں نہیں دیجائے گی بلکہ بونس خرید کر دیدیئے جائیں گے، نیز کوئی بھی محنت کش محدود مقدار سے زائد حصے نہیں خرید سکے گا، اسی طرح ڈائریکٹروں کے بورڈ میں بھی پچاس فیصد نمائندے محنت کشوں کے ہوں گے اور سالانہ منافع سرمایہ داروں اور محنت کشوں پر حصہ رسد تقسیم کیا جائے گا۔

اس طریق کار کا اہم ترین فائدہ تو یہ ہوگا کہ محنت کش فیکٹری یا مل کے مالکان میں شامل ہوجائیں گے اور اس کی انتظامی پالیسی میں ان کی موثر نمائندگی کا فائدہ یہ ہوگا کہ جن مدات میں سرمایہ صرف ہوگا، اس کی مقدار محنت کشوں کے اور سرمایہ داروں کے باہمی مشورہ سے طے ہوگی، دوسرا فائدہ اقتصادی اعتبار سے یہ ہوگا کہ محنت کشوں کے ذرائع آمدنی دو ہوجائیں گے، ایک محنت کی اجرت، دوسرے بقدر حصہ سرمایہ کا منافع، اس لئے کہ صنعتی طریق پیدائش دولت میں بنیادی اور پیدآور عامل دو ہوتے ہیں، ایک سرمایہ، دوسرے محنت، اس طریق پر محنت کش دونوں سے استفادہ کرسکیں گے۔

نفسیاتی اعتبار سے اس طریق کار کا فائدہ یہ ہوگا کہ ایک طرف فیکٹری یا مل میں سرمایہ

لگانے والے یہ محسوس کریں گے کہ ہمارا سرمایہ انہی محنت کشوں کی محنت سے بارآور (پیدآور) ہورہا ہے، دوسری طرف محنت کش یہ محسوس کریں گے کہ اگر ہم نے کام کرنے میں کوتاہی کی تو اس کا نقصان دوسروں سے پہلے خود ہم کو پہنچے گا، نیز محنت کش جس احساس کمتری میں مبتلا اور اس کے ردعمل کے طور پر آمادۂ انتقام رہتے ہیں، یہ تباہ کن احساس کمتری ختم ہوجائے گا اور مالکان جو محنت کشوں کو ان کی محنت کی اجرت اس طرح دیتے ہیں جیسے خیرات دے رہے ہیں، ان کی یہ رعونت بھی ختم ہوجائے گی اور آجر واجیر کے تعلقات باہمی تعاون اور مساویانہ یگانگت پر استوار ہوجائیں گے۔

اس طریق کار کی بڑی خوبی یہ ہوگی کہ رسد اور طلب کے گھٹنے بڑھنے کا جو اچھا برا اثر اجرتوں پر پڑے گا، اس کو وہ ناگزیر محسوس کرکے بخندہ پیشانی برداشت کریں گے، حقوق ومراعات کے مطالبات اور ان کی بناء پر احتجاج، مظاہرے اور ہڑتالوں وغیرہ کی نوبت ہی نہیں آسکتی اس لئے کہ حقوق ومراعات دینے والے بھی وہی ہوں گے اور لینے والے بھی وہی ہوں گے، کاروباری ناگوار حالات اور ناگزیر نقصانات کو بالکل اس طرح سب مل کر برداشت کریں گے جیسے ایک کنبے کے افراد آفات سماوی یا ناگہانی حادثات کو برداشت کیا کرتے ہیں۔ اور جو کارخانے انفرادی سرمایہ سے چل رہے ہیں ان میں بھی اسی طرح حکومت پچاس فیصد سرمایہ محنت کشوں کا حصص کی صورت میں شامل کرادے اور سالانہ منافع اسی طرح سرمایہ دار اور محنت کشوں کے درمیان حصہ رسد تقسیم ہوجائے، اسی طرح انتظامی امور میں بھی مناسب طریق پر نمائندگی محنت کشوں کو دیجائے تاکہ مذکورہ بالا فوائد حاصل ہوسکیں، اسی اصول پر زمیندار اور ہاریوں کے درمیان کشیدگی کو ختم کیا جائے۔

زراعت وغیرہ میں بنیادی عوامل پیداوار تین ہیں:

(۱) ایک زمین (۲) دوسرے سرمایہ (اصل) (۳) تیسرے محنت۔

عشر نکال کر باقی منافعہ تین حصوں پر تقسیم کردیا جائے:

(۱) ایک زمین کا حصہ اگر زمین خود کاشت ہے تو مالک زمین اس حصہ کا الگ مالک ہوگا۔

(۲) دوسرا سرمایہ کا حصہ مالک اور محنت کشوں پر حصہ رسد تقسیم ہوجائے گا۔

(۳) تیسرا محنت کا حصہ، یہ حصہ بھی مالک جبکہ وہ بھی شریک محنت ہو اور ہاریوں پر حصہ

رسد تقسیم ہوگا اور اگر زمین خود کاشت نہیں ہے تو محنت کا پورا منافع ہاریوں پر تقسیم ہوگا، زمین کا حصہ تنہا زمیندار کو ملے گا، سرمایہ کا حصہ مصارف نکالنے کے بعد جو بچے گا وہ زمیندار اور محنت کشوں پر حصہ رسد تقسیم ہوگا، اس طریق کار سے ہاری پیداوار کی ملکیت میں شریک ہوجائیں گے، ان کی پوزیشن مضبوط اور ذرائع آمدنی دو ہو جانے کی وجہ سے اقتصادی حالت بہتر ہوجائے گی۔

آخر میں ہم قرآن کریم سے ایک عقد اجارہ کی تفصیلات اور اس میں فریقین کے ایک دوسرے پر ظلم وجور سے بچنے کی تدابیر میں اہتمام کا ذکر کرتے ہیں، تاکہ اسلامی معاشیات کے طالب علم محسوس کریں کہ خالق کائنات نے کس طرح دونوں جانب سے ظلم وجور سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے، یہ عقد اجارہ حضرت شعیب آجر اور حضرت موسیٰ اجیر علیہما السلام کے درمیان آٹھ یا دس سال کے لئے کیا گیا تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿إنّی أرید أن أنکحك احدیٰ ابنتی هاتین علی أن تأجرنی ثمانی حجج فإن أتممت عشرا فمن عندك وما أرید أن أشقّ علیك ستجدنی إن شاء الله من الصالحین﴾ [القصص:۲۷]

ترجمہ: میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا تمہارے ساتھ نکاح کردوں، اس شرط پر کہ تم میرے ہاں نوکری کرو (بکریاں چراؤ) آٹھ سال تک اور اگر تم دس سال پورے کردو تو یہ تمہاری جانب سے تبرع ہوگا اور میں تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا (کہ دس سال پورے کرنے پر مجبور کروں) تم انشاء اللہ مجھے خوش معاملہ (پابند عہد) پاؤ گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ذلك بینی وبینك أیما الأجلین قضیت فلاعدوان علیّ والله علی ما نقول وکیل﴾ [القصص:۲۸]

ترجمہ: یہ معاہدہ میرے اور آپ کے درمیان (اختیاری) ہے جونسی مدت میں (چاہتا ہوں) پوری کردوں پس مجھ پر زبردستی نہ ہوگی اور جو ہم کہتے (اور معاہدہ کرتے) ہیں خدا اس پر شاہد ہے۔

دیکھئے آجر حضرت شعیب کس پختگی کے ساتھ مشقت میں ڈالنے سے احتراز کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہما السلام بھی صراحتاً عدوان کی نفی کررہے ہیں اور دونوں خدا کو اپنا کفیل اور گواہ بناتے ہیں، قرآنی تعلیمات کی رو سے آجر اور اجیر کا تعلق اور معاملہ اسی طرح ہونا چاہئے۔ اسی واقعہ کی روشنی میں موجودہ زمانہ میں آجر واجیر کے نزاع کو ختم کرنے کی غرض سے مذکورہ بالا طریق کار جو سراسر اصول معاشیات پر مبنی ہے پیش کیا گیا ہے۔

خدمت کا معاوضہ اور محنت کی قیمت کا تعین

آپ پڑھ چکے ہیں کہ خدمت اس محنت ومشقت کا نام ہے جو انسان اپنی ضروریات کو پورا کرنے کی غرض سے دوسرے انسان کے لئے کام کرنے میں برداشت کرتا ہے، یہ محنت ومشقت خواہ جسمانی ہو خواہ دماغی اس قدر گوناگوں اور متنوع ہوتی ہے کہ اس کو نہ کسی پیمانہ سے ناپا جاسکتا ہے نہ کسی ترازو سے تولا جاسکتا ہے نہ ہی اس کی تحدید ممکن ہے۔ اسلامی معاشیین یعنی فقہاء اسلام نے دو طریقے سے اس کی تحدید کرنے کی کوشش کی ہے:

① ایک وقت کے لحاظ سے ② دوسرے عمل اور کام کے لحاظ سے

اور اسی بناء پر اجیر کی دو قسمیں کی ہیں:

① ایک اجیر خاص جو مقررہ وقت میں ایک ہی شخص کا کام کرے، جو بھی متعارف کام وہ کرائے۔

② دوسرے اجیر مشترک جو طے شدہ ''کام'' انجام دے، خواہ اس میں کتنا ہی وقت لگے، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

یہ دونوں طریقے اس کام یا منفعت کی تو فی الجملہ تحدید کرتے ہیں جس کا مستاجر (آجر) معاوضہ یعنی اجرت دیتا ہے، مگر خود اجرت کی تحدید وتعیین ان سے نہیں ہوسکتی۔

محنت کی قیمت یعنی اجرت کی تحدید وتعیین کے لئے اگر کوئی چیز کسی درجہ میں وہ بھی صرف اجیر خاص کی صورت میں مفید ہوسکتی ہے تو وہ اجیر کی وہ ضروریات زندگی وکارکردگی ہیں جن کے پورا کرنے کی غرض سے وہ دوسرے کے لئے کام کرنے میں مشقت اٹھاتا ہے، اس لئے یہ کہا

جاسکتا ہے کہ اجیر اور محنت کش اس کی محنت کی اتنی قیمت یعنی اجرت ملنی چاہئے کہ وہ اپنی اور اپنے متعلقین کی جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے ضروریات زندگی یعنی غذا' لباس اور مکان نیز اپنی ضروریات کارکردگی کو پورا کرسکے۔

لیکن اول تو ان حوائج وضروریات کی نوعیت اور ان کا معیار ہی بے انتہاء مختلف اور متنوع ہے، پھر ان معاشی اشیاء کے نرخوں کی گرانی وارزانی مقدار اجرت پر بیحد اثر انداز ہوتی ہے، اجرت کی جو مقدار ارزانی کے زمانہ میں کافی سے زائد ہوتی ہے، وہ مقدار گرانی کے زمانہ میں کسی ایک یا دو مثلاً غذا اور لباس کے لئے بھی کافی نہیں ہوتی، علاوہ ازیں اس کی کیا ضمانت ہے کہ آجر جو کام اجرت پر لے رہا ہے وہ اتنا منفعت بخش ہے کہ وہ اور کاروباری مصارف نکال کر اتنی اجرت ادا کرسکے جو محنت کش کی ضروریات کو پورا کردے، معاشیات کی اصطلاح میں یوں کہئے کہ آجر محنت کی قیمت اتنی ہی ادا کرسکتا ہے جتنی بقیہ دو عامل پیداوار یعنی اصل اور تنظیم کی نسبت سے حصہ رسد محنت کے حصہ میں آتی ہے، یعنی مصارف کاروبار اس کے متحمل ہیں، اس سے زائد اجرت کا بار اس پر ڈالنا ناانصافی اور ظلم ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

یہ تمام بحث صرف اجیر خاص کے بارے میں مفید ہوسکتی ہے، اجیر مشترک کی اجرت کی تعیین میں یہ بحث بالکل بے سود ہے کیونکہ وہ کسی ایک آجر کا کام نہیں کرتا کہ اس پر اس قسم کی ذمہ داری ڈالی جائے، پھر ہنر حرفے بے شمار انواع واقسام کے ہیں، ان میں مہارت' تجربہ اور ذہانت کے فرق کی وجہ سے اتنا زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے کہ کوئی تناسب قائم ہی نہیں کیا جاسکتا کہ اجرت کا تعین کیا جائے، مثلاً معماری' نجاری' آہنگری وغیرہ پیشے ایک طرف اور ڈاکٹری' انجینئری' بیرسٹری وغیرہ فنی حرفے دوسری طرف۔

حقیقت یہ ہے کہ بیع وشراء خرید وفروخت کی طرح اجارہ بھی طرفین کی احتیاج پر مبنی ہوتا ہے، نہ آجر کی احتیاج کی حدبندی کی جاسکتی ہے، نہ اجیر کی احتیاجات کی، نہ ہی اجرت کی تعیین ممکن ہے، چنانچہ بعض اوقات آجر اجرت پر کام لینے پر اتنا مجبور ہوتا ہے کہ وہ یہ جانتے ہوئے کہ اجیر بہت زیادہ اجرت لے رہا ہے' اجرت پر کام کراتا ہے، اسی طرح اجیر بعض اوقات اجرت پر کام کرنے کے لئے اتنا مجبور ہوتا ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ آجر اجرت بہت کم دے رہا ہے پھر بھی

کام کرتا ہے، زیادہ سے زیادہ اخلاقی اعتبار سے اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ آجر واجیر دونوں کو ایک دوسرے کی مجبوری سے ناجائز فائدہ ہرگز نہ اٹھانا چاہئے، یعنی آجر کو اتنی اجرت دینی چاہئے جو معمول کے مطابق اور انصاف کا تقاضہ ہو، اگرچہ اجیر اپنی مجبوری کی وجہ سے کم اجرت پر کام کرنے کے لئے آمادہ ہوگیا ہو، اسی طرح اجیر کو آجر سے وہی اجرت لینی چاہئے جو معمول کے مطابق اور انصاف کا تقاضا ہو، اگرچہ آجر اپنی مجبوری سے زیادہ، اجرت دینے پر آمادہ ہوگیا ہو کہ یہی اس امانت ودیانت کا تقاضا ہے جس پر اسلامی معاشیات میں اجارہ کی بنیاد قائم ہے، جیسا کہ آپ حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے اجارہ کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں کہ ان دونوں حضرات میں سے ہر ایک ''فیما بینہ وبین اللہ'' خدا کے اور اپنے درمیان ظلم وعدوان سے بچنے کی انتہائی کوشش کرتا ہے اور قرآن حکیم کے حکم:

﴿إنّ الله يأمركم أن تؤدّوا الأمانات إلى أهلها﴾ کے تحت آجر واجیر دونوں اسی کے مامون ہیں۔ اتنی بات ضرور ہے کہ عام حالات میں آجر مالدار اور خوشحال ہوتا ہے اور اجیر مفلس ونادار' سادہ لفظوں میں کہئے: اجیر بھوکا ہوتا ہے، اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے مزدوری کرتا ہے، اس کے برعکس آجر پیٹ بھرا ہوتا ہے وہ اپنا سرمایہ (اصل) زیادہ سے زیادہ بڑھانے اور نفع کمانے کے لئے مزدوروں سے کام لیتا ہے۔

اس لئے قرآن حکیم کے حکم: ﴿تعاونوا على البرّ والتقوىٰ﴾ کے تحت آجر کو محنت کشوں کے ساتھ بر وتقویٰ پر مبنی سلوک کرنا چاہئے نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:

"اخوانكم خولكم جعلهم الله تحت أيديكم فمن كان اخوه تحت يده فليطعمه مما يأكل وليلبسه مما يلبس و لا تكلّفوهم ما يغلبهم فان كلّفتموهم فأعينوهم".[1]

ترجمہ: تمہارے بھائی تمہارے دست وبازو ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے، پس جس کے پاس اس کا کوئی بھائی ہو تو جیسے خود کھائے اس کو بھی کھلائے،

---

[1] بخاری: ۱/۹، كتاب الايمان باب المعاصى من امر الجاهلية، ط: نور محمد كتب خانه كراچی، مسلم: ۲/۵۲، كتاب الايمان باب صحبة المماليك، ط: قديمى كراچى

جیسے خود پہنے اسے بھی پہنائے اور جو کام ان کے لئے بھاری ہوں ان پر مجبور نہ کرو اور اگر وہ کام ان سے لیتے ہو تو ان کی مدد کرو۔

محنت کشوں کو ان کے گذارے کے قابل اجرت دے دینے سے اتنا ہی تو ہوگا کہ آجر کا کاروباری منافع اس کے تخمینہ سے کچھ کم ہوجائے گا، لیکن انسانیت کی اس عظیم خدمت اور خلق خدا کی اس حاجت روائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس تھوڑے منافع میں اس سے بدرجہا زیادہ برکت عطاء فرمائیں گے جتنا آجر نے ایثار کیا ہے نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:

"الخلق عيال الله فأحبّ الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله"[1]

ترجمہ: مخلوق خدا کی عیال ہے اس لئے اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کی عیال ساتھ اچھا سلوک کرے۔

اور اگر مصارف کاروبار میں اضافۂ اجرت کی مطلق گنجائش نہ ہو تو کاروبار کے لمیٹڈ ہونے کی بناء پر حصے تو بہرحال اسے بیچنے ہی ہیں اور کاروبار میں اپنے علاوہ اوروں کو شریک کرنا ہی ہے تو پھر ان محنت کشوں کے ہاتھ حصے فروخت کرنے اور ان کو شریک بنالینے میں کیا قباحت ہے، جن کی محنتوں سے کاروبار چل رہا ہے اور سالانہ بونس' مزدوروں کو بہرحال دینا ہی ہے تو نقد بونس دینے کے بجائے حصے خرید کر دیدینے میں کیا گناہ ہے تاکہ ان بھوکے حاجتمندوں کے ذرائع آمدنی دو ہوجائیں، ایک محنت کی اجرت، دوسرے کاروبار کا حصہ رسد منافع ان سے بڑھ کر اور کون لوگ حسن سلوک کے مستحق ہوسکتے ہیں۔

شرعی اعتبار سے نہ بیع وشراء خرید وفروخت میں کسی چیز کی قیمت معین کی جاسکتی ہے اور نہ کسی "کام" کی اجرت معین کی جاسکتی ہے، بلکہ کسی بھی چیز کی قیمت جسے فقہی اصطلاح میں ثمن کہتے ہیں وہی ہوتی ہے جو فروشندہ اور خریدار باہمی رضامندی سے قبول کرلیں، اسی طرح کسی "کام" یا "وقت" کی اجرت وہی ہوتی ہے جو آجر اور اجیر باہمی رضامندی سے طے کرلیں،

---

[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ ص:۴۲۵، باب الشفقة والرحمة على الخلق، ط: قدیمی کراچی

چنانچہ ایک مرتبہ قحط سالی کی وجہ سے گرانی بہت بڑھ گئی تو صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے نرخ مقرر کردینے کی درخواست کی، اس پر نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إنّ الله هو المسعر القابض الباسط الرازق و إنّي لأرجو ان ألقى ربي وليس أحدمنكم يطلبني بمظلمة بدم و لا مال"[1]

ترجمہ: بیشک اللہ ہی ہے نرخ مقرر کرنے والا، گراں کرنے والا، ارزاں کرنے والا، روزی دہندہ اور میں تو چاہتا ہوں کہ میں اپنے رب سے اس طرح جاملوں کہ تم میں سے کسی کا بھی کوئی جان ومال کا مطالبہ مجھ پر نہ ہو۔

حدیث پاک کے آخری فقرہ کا مطلب یہی ہے کہ اگر میں نے کسی چیز کا نرخ مقرر کردیا اور وہ نرخ فروشندہ یا خریدار کسی کے لئے بھی ناقابل برداشت ہوا، اسی طرح آجر یا اجیر کسی کے لئے' بھی مالی اعتبار سے مضرت رساں ہوا تو اس مظلمۂ حق تلفی کا ذمہ دار بلاوجہ میں بنوں گا اور ایسا کوئی معیار موجود نہیں جس سے یہ معلوم کیا جاسکے کہ فلاں چیز کا اتنا نرخ یا فلاں کام کی اتنی اجرت ایسی مقدار ہے جس میں فریقین میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی ناانصافی یا حق تلفی نہ ہوگی علاوہ ازیں اگرچہ کسی چیز کی گراں قیمت یا کسی کام کی گراں اجرت گو بظاہر خریدار یا آجر کے حق میں نقصان دہ نظر آتی ہو لیکن ہوسکتا ہے کہ اس کی احتیاج کے پیش نظر یہ گراں قیمت یا اجرت بھی باعث صد منفعت ہو اسی پر ارزانی کو قیاس کرلیجئے۔

امام جلال الدین سیوطی نے مفتاح الجنة میں امام بیہقی کے حوالہ سے مذکورہ بالا حدیث کے آخری فقرہ کے بجائے حسب ذیل فقرہ روایت کیا ہے:

"لايسئلني الله عن سنة أحدثتها فيكم لم يأمرني بها ولكن اسئلوا الله من فضله"[2]

---

[1] رواہ ابن ماجه والدارمي بحواله مشكوٰة ص:۲۵۱، ترمذی:۱۵۷/۱، ابواب البيوع، ط: مير محمد كتب خانه كراچی.

[2] مفتاح الجنة للسيوطي، ص: ۱۰ ط: ادارة الطباعة المنيريه بمصر.

ترجمہ: اللہ مجھ سے کسی ایسی سنت (طریقہ) کے متعلق باز پرس نہ کرے جو میں تمہارے درمیان جاری کردوں اور اللہ نے مجھے اس (کے جاری کرنے) کا حکم دیا نہ ہو بلکہ تم اللہ سے اس کا فضل (فراخی) مانگو (وہ ضرور دے گا)

اس سے معلوم ہوا کہ نرخوں کا معین اور مقرر کرنا سنت الٰہیہ کے خلاف ہے اسی لئے دوسری حدیث میں نبی رحمت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم من بعض"[1]

ترجمہ: تم لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو (لین دین کرنے دو) اللہ ایک کو دوسرے کے ذریعہ روزی دیتا ہے"۔

باقی اسلامی معاشیین یعنی فقہاء اسلام نے جو بیع وشراء کے ذیل میں قیمت مثل بازار کی قیمت کا اور اجارہ کے ذیل میں اجرت مثل بازاری اجرت کا ذکر کیا ہے تو وہ تو صرف بائع ومشتری فروشندہ اور خریدار اور آجر واجیر کے اختلاف کی صورت میں ان کے نزاعات کا فیصلہ کرنے کا ایک طریق کار بتلایا ہے ورنہ وہ تصریح کرتے ہیں کہ بیع وشراء میں اصل قیمت ثمن وہ ہے جس کو فریقین باہمی رضامندی سے قبول کریں اور اجارہ میں اصل اجرت وہ ہے جو فریقین باہمی رضامندی سے طے کریں۔

اسی طرح فقہاء اسلام نے تاجروں کے عام ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی کرنے کی وجہ سے پیدا شدہ مصنوعی گرانی کو ختم کرنے کی غرض سے اسلامی حکومت کو نرخ مقرر کردینے کا جو اختیار دیا ہے اس کا تعلق بھی اسلامی حکومت کے ان استثنائی اختیارات سے ہے جو مصالح عامہ کے تحت معاشی بحران ختم کرنے کی غرض سے اسلامی حکومت کو ہنگامی طور پر حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ حکومت واقعی اسلامی ہو ملک میں اسلامی قانون بشمول حدود وتعزیرات وفصل خصومات نافذ ہو۔

چنانچہ اگر ایسی اسلامی حکومت آجر واجیر کی عام کش مکش اور حقوق ومراعات نیز اجرتوں

[1] ترمذی: ۲۳۲/۱، أبواب البیوع، باب ماجاء لا یبیع حاضر لباد، ط: سعید کراچی

کے نزاعات کی وجہ سے پیدا شدہ معاشی بحران کو ختم کرنے کے لئے عدل وانصاف پر مبنی اجرتوں اور تنخواہوں کی مقدار متعین کردے تو شرعاً درست ہے۔

نوٹ: ملک میں رائج کتب معاشیات کے مصنفین ومولفین نے جن کا تعلق سرمایہ دارانہ نظام کے بلاک سے ہے قیمتوں اور اجرتوں کے متعین کرنے کی بے سود کوششیں صرف اس لئے کی ہیں کہ سرمایہ دار حکومتیں من مانے طریق پر کارخانوں کی پیداوار پر ٹیکس اور زمین کی پیداوار پر لگان لگانے کے لئے قبل از وقت کاروبار کے آمد وخرچ کے تخمینے لگانے پر مجبور ہیں اسی طرح سودی کاروبار کرنے والے بینک مقدار سود کی تشخیص کی غرض سے کاروبار کے مصارف کے تخمینے لگانے پر مجبور ہیں اور ان تخمینوں میں اشیاء کی قیمت اور محنت کی اجرت کی مقداریں مقرر کرنا لابدی اور ناگزیر ہوتا ہے ورنہ درحقیقت یہ معاشیین خود تسلیم کرتے ہیں کہ عملی طور پر قیمت اور اجرت کی مقدار اس کے سوا نہیں جو فریقین کے درمیان طے ہوجائے۔ ہاں قیمتیں اور اجرتیں حسب منشا گھٹانے اور بڑھانے کی غرض سے رسد وطلب کی یہ پیچ در پیچ اور طولانی بحثیں ضرور مفید بلکہ ناگزیر ہیں۔

اسلامی تعلیمات نہ تاجروں اور محنت کشوں کے اس ظالمانہ استحصال کو گوارا کرتی ہیں اور نہ اسلامی معاشیات میں یہ بحثیں درخور اعتناء ہوسکتی ہیں پیغمبر اسلام نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی:

"دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم عن بعض"[1]

ترجمہ: تم لوگوں کو (ان کے حال پر) چھوڑ دو خدا کسی کو کسی کے ذریعہ روزی پہنچاتا ہے۔

کتنا حقیقت پر مبنی اور آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ والحمدللہ علی ذلک

([1]) ترمذی: ۲۳۲/۱، ابواب البیوع، باب ماجاء لا یبیع حاضر لباد، ط: سعید کراچی

بینک اور بینکاری نظام معاشی نقطۂ نظر سے

معاشی بحران اور اس کو رفع کرنے کی تدابیر کے ذیل میں ہم نے اب تک اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انفاق' زکوٰۃ و عشر وصدقات واجبہ وقف وصیت اور میراث وغیرہ اسلامی معاشی نظام کے ان بنیادی اصول کو واضح کیا ہے جن پر صحیح معنی میں عمل کرنے کی صورت میں نہ اکتناز زر اور انجماد دولت ممکن ہے اور نہ ملک کے سرمایہ کا چند افراد یا چند خاندانوں یا کسی مخصوص طبقہ کے ہاتھوں میں سمٹ آنا ممکن ہے بلکہ ملک کا سرمایہ اور مال وزر برابر گردش میں رہتا ہے اور ملک وقوم معاشی بحران سے محفوظ رہتے ہیں۔

اب ہم حسب وعدہ اس حب مال وزر اور ہوس زر اندوزی کو جنم دینے اور پروان چڑھانے والے تین حرام ذرائع:

① اول سود اور سودی کاروبار یعنی بینکاری سسٹم

② دوم سٹہ جوا اور بیمہ کاری

③ سوم حرام اور ممنوع کاروبار کی تباہ کن معاشی مضرتوں پر روشنی ڈالنا اور ان کی بیخ کنی کی تدابیر پر بحث کرنا اور ان کے متبادل معاشی ترقی اور خوشحالی کا ضامن اسلامی طریق کار پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق

بینک اور بینکاری نظام دنیا کی سب سے بڑی معاشی لعنت ہے اور سودی کاروبار کو فروغ دینے والے بینکار انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

اس میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ملک میں سرمایہ دارانہ معاشی نظام جس کی بدولت ملک کا تمام سرمایہ چند خاندانوں میں سمٹا چلا جارہا ہے اور نادار طبقہ غریب سے غریب تر اور مالدار طبقہ امیر سے امیر تر ہوتا جارہا ہے ملک کے تمام زرعی' صنعتی اور تجارتی کاروبار پر چند ارب پتی اور کروڑ پتی افراد قابض ہوچکے ہیں اور ملک کی نوے فیصد آبادی آئے دن کے اجرتوں اور تنخواہوں میں اضافوں کے باوجود ضروریات زندگی سے محروم بلبلا رہی ہے ہائے روٹی' ہائے کپڑا' ہائے مکان' حکومت کی تدابیر اور منصوبوں کے علی الرغم (برعکس) ضروریات زندگی نہایت تیزی

سے گراں سے گراں تر ہوتی جارہی ہیں قیمتیں ہیں کہ آسمان سے باتیں کررہی ہیں' اس معاشی نظام کا سنگ بنیاد بینک اور بینکاری سسٹم ہے جس کے فولادی چنگل میں ملک کی معیشت تڑپ رہی ہے سسک رہی ہے' دم توڑ رہی ہے اگر یہی لیل ونہار رہے اور مسلمانوں نے اس سودی کاروبار کو جنم دینے والے بینکنگ سسٹم کی فولادی گرفت سے ملک کے معاشی کاروبار کو آزاد نہ کیا تو کچھ بعید نہیں کہ قہر خداوندی اور عذاب الٰہی سوشلسٹ یا کمیونسٹ نظام کی شکل میں ملک اور قوم پر نازل ہوجائے جیسا کہ دوسرے اسلامی ملکوں میں ہوچکا ہے اور ہورہا ہے۔

بینک اور بینکاری نظام

دنیا میں بینک اور بینکاری نظام یہودی ذہنیت کی اختراع ہے جس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ملک میں جس قدر فاضل سرمایہ معاشیات کی اصطلاح کے مطابق ''اصل'' ملک کے افراد وطبقات کے پاس موجود اور پھیلا ہوا ہے' بینکنگ سسٹم کے ذریعہ مالکان کو اس کے تحفظ کی ضمانت اور سود کے ذریعہ اس میں اضافہ کا سبز باغ دکھا کر اس کو اپنی مٹھی میں لے لیا جائے اور سرمایہ کے محتاج کاروباری طبقات کو سود پر وہی سرمایہ قرض دے کر گھر بیٹھے ان کے کاروبار اور اس کے منافعہ پر قبضہ کرلیا جائے بالفاظ دیگر یہ بینک ایک طرف سود کا لالچ دے کر سرمایہ داروں کے سرمایہ کا استحصال کرتے ہیں دوسری طرف گوناگوں سود کے عنوان سے کاروباری طبقہ کے منافع کا استحصال کرتے ہیں اور سرمایہ کاری کا جال پورے ملک کی معیشت پر اس طرح پھیلا دیتے ہیں اور اس کے پھندے اس قدر سخت کس دیتے ہیں کہ ملک میں کسی بھی کاروبار کرنے والے کے لئے اس جال کے پھندوں سے نکلنا ناممکن اور محال ہوجاتا ہے اور ملک کی پوری معیشت ومعاشرت سودی لین دین کی لعنت میں گرفتار اور رفتہ رفتہ فقر وافلاس کا شکار ہوجاتی ہے۔

غرض بینکنگ سسٹم وہ مہذب اور قانون کی گرفت سے آزاد لوٹ کھسوٹ ہے اور بینکار وسرمایہ کار وہ مہذب قزاق اور ڈاکو ہیں جو دوسروں کی پونجی اور کمائی دن دہاڑے لوٹتے ہیں اور کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور رفتہ رفتہ ملک کا تمام سرمایہ اور کاروبار ان کی مٹھی میں آجاتا ہے اور اتنے سنگدل ہوتے ہیں کہ سسکتی ہوئی انسانیت کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں خود عیش کرتے ہیں

ملک معاشی بحران میں گرفتار ہوتا ہے۔

بینکوں کو قومی ملکیت میں لینا حکومتوں کا ایک ''فریب'' ہے

بینکوں کی اس معاشی لوٹ کھسوٹ کی بیخ کنی کرنے کا اور ملک کو سودی کاروبار کی لعنت سے پاک کرنے اور معاشی تباہی سے بچانے کا یہ طریقہ ہرگز نہیں ہے کہ حکومت ملک کے بینکوں کو قومی ملکیت میں لے کر ان کو اپنے قبضہ میں لے لے۔

یہ تو درحقیقت سرمایہ دار اور سرمایہ پرست حکومتوں کے اگرچہ وہ برائے نام سوشلسٹ یا کمیونسٹ حکومتیں ہی کیوں نہ کہلاتی ہوں ہتھکنڈے ہیں جب بھی وہ اپنی سیاسی اغراض کی بنا پر ملک کے تمام سرمایہ (کیپٹل) اور کاروبار پر تن تنہا بلاشرکت غیرے قبضہ کر کے من مانی کارروائیاں کرنا چاہتی ہیں تو ملک کے تمام بینکوں بڑی بڑی صنعتوں اور تجارتی و کاروباری اداروں پر قومی ملکیت میں لے لینے کے پرفریب نام سے ایک آرڈیننس کے ذریعہ دفعتاً قبضہ کر لیتی ہیں ابھی چند روز کی بات ہے کہ بھارت جیسی جمہوریت کے بلند بانگ دعوے کرنے والی حکومت نے بھارت کے دس بڑے بڑے بینکوں کو راتوں رات چوروں کی طرح ''قومی ملکیت میں لینے کے'' عنوان سے اپنے قبضہ میں لے لیا اور بینکوں کے مالکان و ڈائرکٹروں کو نکال باہر کیا اور ان کی جگہ بینکوں کا کاروبار چلانے کے لئے سرکاری بورڈ مقرر کر دیئے اور بیوروکریسی (نوکر شاہی) کو مسلط کر دیا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے اقدام سے سودی کاروبار اور بینکاری سسٹم کی معاشی لعنت سے تو ملک پاک نہیں ہوتا بلکہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ لوٹ کھسوٹ پہلے بینکوں نے مچا رکھی تھی اب بینکوں اور ان کے مالکان کی جگہ حکومت اور سول سکرٹریٹ کے نوکر شاہی حکام (بیوروکریسی) نے لے لی، پہلے چند افراد یا چند خاندان یا ایک مخصوص طبقہ نے ملک کے سرمایہ اور کاروبار پر قبضہ جما رکھا تھا اب تنہا حکومت اور نوکر شاہی افسران ملک کا وہی معاشی استحصال کر رہے ہیں اور عوام کا خون چوس رہے ہیں بینکوں اور ان کے مالکان کو تو صرف قانونی اور عدالتی تحفظ حاصل تھا ان کی گرفت اتنی سخت اور محکم نہ تھی، حکومت اور اس کے کارندوں کو حکومت کی حمایت اور پشت پناہی حاصل ہوتی ہے حکومت کے بل بوتے پر ہی وہ قبضہ کرتے ہیں اس لئے ملک اور قوم ان کے سامنے بالکل ہی

بے بس ہوتی ہے۔

غیر سودی بینک بھی ایک ''دھوکہ'' ہے

اسی طرح غیر سودی بینک بھی بینکاروں کا ایک فریب ہے چونکہ ملک کی اکثریت کم از کم عقیدہ کے اعتبار سے دیندار ہے سود کے قطعی حرام اور ملک و قوم کے لئے موجب قہر خداوندی ہونے پر پختہ اعتقاد رکھتی ہے اس لئے دیندار طبقہ کا منہ بند کرنے کے لئے بعض بینک والے اعلان کر دیتے ہیں کہ ہمارا بینک بغیر سود کے یا شرح صفر سود پر کاروبار کرتا ہے حالانکہ یہ محض فریب ہوتا ہے وہ سود کا نام بدل کر منافع یا کمیشن یا محنتانہ (محنت کا معاوضہ) وغیرہ رکھ دیتے ہیں اور سود لیتے بھی ہیں اور دیتے بھی ہیں دراصل بینک کا تصور تو کبھی سود سے جدا ہو ہی نہیں سکتا معاشیات کے مسلمات میں سے ہے بینک ایک ایسے درمیانی واسطہ (ادارہ) کا نام ہے جو لوگوں سے ان کے فاضل سرمایہ اصل کو سود پر حاصل کرتا ہے اور کاروباری طبقہ کو سود پر سرمایہ مہیا کرتا ہے بچوں کی کہانیوں میں ''بندر بانٹ'' کا قصہ آپ نے پڑھا یا سنا ہوگا اسی طرح یہ بینکار دونوں فریق کو لوٹتے اور اپنی تجوریاں بھرتے ہیں مملکت سعودی عربیہ میں بینکوں نے سود کا نام عمالہ (محنت کا معاوضہ) رکھا ہے اسی طرح کچھ عرصہ ہوا کراچی میں ایک بغیر سود کا بینک جاری ہوا تھا اخبار بین طبقہ اس کے حشر سے خوب اچھی طرح واقف ہے اسی طرح بعض لمیٹیڈ کمپنیاں محض بھولے بھالے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے شرح سود کا نام ''شرح منافعہ'' رکھ کر لوگوں سے سرمایہ حاصل کرتی ہیں حالانکہ یہ مسلم ہے کہ کسی بھی کاروبار میں نفع کا ہونا قطعی اور یقینی نہیں ہوتا ہر شخص جانتا ہے کہ کاروبار میں نفع بھی ہوتا ہے نقصان بھی اور جب منافعہ ہی یقینی نہیں تو پہلے سے اس کی شرح کے تعین کا کہ اتنے فیصد منافعہ ملے گا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ایسی صورت میں ان کمپنیوں کا شرح منافعہ متعین کرنا خود اس امر کا غماز ہے کہ یہ ''شرح سود'' ہے جس کا نام دھوکہ دینے کے لئے شرح منافعہ رکھ لیا ہے (سود اور منافعہ کے بنیادی اور یقینی فرق سے ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے بحث کریں گے) بینک کا تو نام و نشان تک مٹائے بغیر ملک سود کی لعنت سے پاک نہیں ہو سکتا۔

بہرحال اسلامی نقطۂ نظر اور قرآنی تعلیمات کی رو سے تو ہر قسم کا سودی لین دین اور

سودی کاروبار کرنے والوں کو خدا اور اس کے رسول کی جانب سے الٹی میٹم (اعلان جنگ) ہے ہی خالق کائنات کا اعلان ہے:

﴿فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ [البقرة:۲۷۹]

ترجمہ: اگر تم (سودی لین دین ترک) نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

یہ انتقام الٰہی اور قہر خداوندی ہر اس ملک میں جہاں سود کا لین دین اور سودی کاروبار کھلے عام جاری ہوتا ہے خونریز معاشی انقلاب اور ملک وقوم کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے وہ ملک اور قومیں ہمارے سامنے ہیں جہاں اس قسم کے خوں ریز معاشی انقلابات آ چکے ہیں' آ رہے ہیں اور آنے والے ہیں۔

سود کی تباہ کن مضرت خالص معاشی نقطۂ نظر سے

لیکن اگر خالص معاشیاتی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تب بھی سودی کاروبار کا فروغ اور بینکنگ سسٹم کا تسلط کسی بھی ملک اور قوم کی معاشیات کے لئے سخت مضر اور تباہ کن ہے اس لئے کہ ملک کے معاشی نظام کو درہم و برہم اور تباہ کردینے والا جو نقصان اس سے پہنچتا ہے اور وہی درحقیقت قہر خداوندی اور انتقام الٰہی ہے وہ یہ ہے کہ معاشیات کی اصطلاح کے مطابق ''پیدائش دولت'' کا سب سے بڑا دوررس اور اہم عامل پیدائش دولت ''محنت'' ہے بالفاظ دیگر روزی کمانے کا وہ وسیلہ جو کسب معاش کے ہر شعبہ میں' زراعت ہو یا صنعت یا تجارت بنیادی طور پر کارفرما ہے اور جس کے بغیر انسان قدرتی نظام کے تحت روزی کما ہی نہیں سکتا وہ انسان کی جسمانی اور دماغی محنت ومشقت اور زیادہ سے زیادہ فراخ روزی کمانے کی غرض سے زیادہ سے زیادہ جدوجہد اور کوشش ہے خالق کائنات کا بھی ارشاد ہے۔

﴿وأن ليس للإنسان إلّا ما سعى وأنّ سعيه سوف يرى ثم يجزاه الجزاء الاوفى﴾ [النجم:۴۰ تا ۴۲]

ترجمہ: اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش (اور جدوجہد) کرتا ہے

اور یہ کہ اس کی جدوجہد ضرور دیکھی جائے گی پھر اس کو (اسی کے مطابق) پوری پوری جزا دی جائے گی''۔

نیز انسان کی اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات پوری کرنے کی غرض سے مشقت کشی اور سخت کوشی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہر ''باپ اور اس کی اولاد'' کی قسم کے بعد ارشاد ہے:

﴿لقد خلقنا الانسان في كبد﴾ [البلد : ٤]

ترجمہ: بیشک ہم نے انسان کو مشقت (کشی) میں پیدا کیا ہے۔ [1]

لیکن کسب معاش کے ہر شعبہ میں سودی کاروبار کا فروغ اور بینکاری نظام کا تسلط ایک طرف انسان کے اس محنت ومشقت کے قدرتی معاشی عامل اور فطری جذبہ کو رفتہ رفتہ مفلوج کردیتا ہے اور کاروباری طبقوں کو مفت خوری اور حرام خوری کا عادی بنادیتا ہے دوسری طرف ہوس زر اندوزی اور طمع مال ودولت بینکوں کے ذریعہ دوسروں کی کمائی کے استحصال پر مجبور کردیتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے وہ (مثلاً) ذرہ برابر محنت کئے اور مشقت اٹھائے بغیر اور اپنی کمائی کا ایک پیسہ لگائے بغیر محض (رشوت) یا اثر ورسوخ کے ذریعہ اول حکومت سے فیکٹری یا مل قائم کرنے لائسنس حاصل کرلیتے ہیں اور پھر حکومت سے ہی دوسرے ملکوں سے سودی قرض پر درآمد شدہ مشنری سود پر ادھار خرید لیتے ہیں اور کسی بینک سے ابتدائی مصارف کے لئے سرمایہ سود پر ادھار لے لیتے ہیں اور اپنا ایک پیسہ لگائے بغیر فیکٹری یا مل قائم کرلیتے ہیں اور مل اونر (مل کے مالک) بن جاتے ہیں پھر فیکٹری یا مل میں تیار شدہ مال کے کارخانے سے باہر نکلنے سے پہلے ہی خود اپنے یا اپنے کسی عزیز کے نام سے تمام تیار مال خرید لیتے ہیں اور اس تمام مال کو کسی بینک میں رہن رکھ دیتے ہیں اور اس پر بینک سے نقد روپیہ سود پر قرض لے کر حکومت کا سود اور پہلے بینک کا اصل سرمایہ مع سود ادا کردیتے ہیں اور اس کے بعد اس تیار مال کی پیش کش سٹہ مارکیٹ میں پہنچتی ہے اور سٹہ بازی کی بدولت قیمت کہیں سے کہیں پہنچتی ہے اور جتنا جتنا مال فروخت ہوتا رہتا ہے بینک کو قرضہ ادا کرتے

---

[1] انسان کی اس مشقت کشی کا سلسلہ ماں کے پیٹ سے باہر آنے کی جدوجہد اور محنت سے شروع ہوتا ہے اور زندگی کے آخری لمحات تک زندگی اور موت کی کش مکش کی صورت میں جاری رہتا ہے۔

اور مال اٹھاتے اور خریداروں کو دیتے رہتے ہیں بقول اردو کہاوت: ''نہ ہلدی لگی نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا''

غرض ذرہ برابر محنت کے مشقت اٹھائے بغیر اور ایک پیسہ اپنی کمائی کا لگائے بغیر اسی سودی سرمایہ کی الٹ پھیر میں ہزاروں لاکھوں کے وارے نیارے ہوجاتے ہیں لیکن اس سودی کاروبار کے ہر مرحلہ میں بینک کا تسلط قائم اور اس کی سرمایہ کاری جاری رہتی ہے اور اس کاروبار کے منافع کا بڑا حصہ ہر مرحلہ پر سود کے عنوان سے بینکوں میں سمٹتا رہتا ہے بسا اوقات ان لکھ پتی کروڑ پتی لوگوں کے پاس بینک کی کتاب (کیش بک) کے علاوہ نقد ایک پیسہ بھی نہیں رہتا اور بسا اوقات ان کے جاری کئے ہوئے چیک بیلنس موجود نہ ہونے کی وجہ سے کیش نہیں ہوتے بالفاظ دیگر مالدار ترین انسان کہلانے کے باجود محتاج ترین انسان ہوتے ہیں یہ نتیجہ ہے اس معاشی لعنت یعنی سودی کاروبار اور بینکاری سسٹم کے ملک کے کاروبار پر تسلط کا۔

غرض اس سودی کاروبار کے فروغ اور بینکنگ سسٹم کے ملک کے کاروبار پر تسلط کی وجہ سے کسب معاش کے فطری تقاضہ کے تحت محنت و مشقت اور معاشی جدوجہد کے فطری جذبہ سے اچھے اچھے ماہرین صنعت وتجارت بھی کلی طور پر محروم اور مفت خوری وحرام خوری کے عادی ہوجاتے ہیں اس سے بڑھ کر ملک اور قوم کا معاشی نقصان اور کیا ہوگا۔ [1]

چنانچہ امام رازیؒ حرمت سود کے عقلی دلائل کے ذیل میں سود اور سودی کاروبار کے فروغ اور تسلط کی اسی معاشی مضرت اور تباہ کاری کا ذکر فرماتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''دوسری عقلی دلیل! بعض علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو صرف اس وجہ سے حرام کیا ہے کہ یہ سود لوگوں کو روزی کمانے کے (جائز اور فطری) ذرائع میں مشغول ہونے سے روک دیتا ہے اس لئے کہ جب (مثلاً) ایک درم کے مالک کو سودی لین دین کے ذریعہ (بے محنت و مشقت) دو درم نقد یا ادھار

[1] ﴿الذین یأکلون الرّبوا لا یقومون إلّا کما یقوم الذی یتخبّطه الشیطٰن من المس﴾ [البقرة: ۲۷۵] کے ضمن میں امام رازیؒ نے حرمت سود کے عقلی دلائل بیان کئے ہیں۔

حاصل کر لینے کی قدرت میسر آجاتی ہے تو فطری ذرائع معاش سے روزی کمانے کی اس کی نظر میں کوئی وقعت باقی نہیں رہتی پھر وہ روزی کمانے کی مشقت اٹھانے کی تجارت یا محنت طلب دشوار صنعت وحرفت اختیار کرنے کی دردسری مول لینے اور مشقت اٹھانے کے پاس بھی نہیں پھٹکتا اور اس فرار وگریز کے نتیجہ میں مخلوق کا معاشی نظام درہم برہم ہوجاتا ہے اس لئے کہ معاشی اور تمدنی زندگی کا نظام تو زراعت وتجارت، صنعت وحرفت (جیسے محنت طلب کاموں) اور معاشی تعمیر وترقی (کے فروغ) سے ہی وابستہ ہے۔ [1]

ظاہر ہے کہ جب ایک کے دو، سو کے دوسو اور ہزار کے دو ہزار ذرا سے سودی الٹ پھیر اور کاروباری سٹہ کے ذریعہ گھر بیٹھے صرف ٹیلی فون پر سودے کرنے سے ہی میسر آنے لگیں گے اور ہزاروں لاکھوں کے وارے نیارے بینکوں کے ذریعہ منٹوں میں ہونے لگیں گے تو پھر کون تجارتی نفع نقصان کے خطرے اور دردسری کو مول لیتا ہے۔

مذہب تو دنیا کا کوئی بھی ہو سماوی یا غیر سماوی ایسا نہیں، جو سود کو حرام اور سودخوار مہاجنوں اور ساہوکاروں کو انسانیت کا سب سے بڑا دشمن نہ کہتا ہو حکماء بھی فیثاغورث سے لے کر افلاطوں تک اور افلاطون سے لے کر آج تک ملک اور قوم کی معاشی تباہی کا واحد ذمہ دار سود اور سودی کاروبار کے فروغ اور تسلط کو ہی قرار دیتے چلے آئے ہیں عوام بھی ہر ملک اور ہر معاشرہ میں اپنی خوشحالی کا سب سے بڑا دشمن اور ذلیل وخوار انسان سودخوار سیٹھوں اور ساہوکاروں کو ہی سمجھتے ہیں اور انتقام کی تاک میں لگے رہتے ہیں موقعہ پاتے ہی یہ کہہ کر اس کے مال و دولت کو لوٹ لیتے ہیں اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں کہ ''یہ ہمارے خون پسینے کی کمائی تو ہے جس پر یہ کروڑ پتی ارب پتی سیٹھ ساہوکار خزانہ کا سانپ بنے بیٹھے ہیں ان کو مارڈالنا سب سے بڑا کارثواب ہے۔

اگرچہ آج کل ان ڈاکوؤں اور لٹیروں نے بیرونی ملکوں خصوصاً سوئزرلینڈ کے بینکوں کی تجوریوں کو اپنا خزانہ بنا رکھا ہے مگر انقلابی حکومتیں بھی جب تک ایک ایک پیسہ نہیں اگلوالیتیں

[1] تفسیر کبیر: ۳/ ۷۴، ط: مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور۔

اس وقت تک نہیں بخشتیں۔

بہرحال ہم چونکہ خالص معاشیاتی نقطۂ نظر سے بحث کر رہے ہیں اس لئے سود اور سودی کاروبار کی قومی مضرت ومذمت کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات‘ علماء ادیان ومذاہب اور حکماء اخلاق کے اقوال وآراء نقل کرنے بجائے مشہور فرانسیسی پروفیسر لوئی ماسین نون کے فیصلہ کن فقرہ پر اس بیان کو ختم کرتے ہیں اور اسلام نے جو سودی کاروبار اور بینکاری سسٹم کا متبادل اور معاشی ترقی وخوشحالی کا کفیل نظام پیش کیا ہے اسے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

لوئی ماسین نون کہتا ہے:

”سرمایہ داری اور اشتراکیت کے تصادم میں اسی تمدن اور تہذیب کا مستقبل محفوظ اور درخشاں رہے گا جو سود کو ناجائز قرار دیتی ہو اور اس پر عمل بھی کرتی ہو“۔

بینکاری نظام کے متبادل معاشی ترقی اور خوشحالی کا ضامن تجارتی نظام

اسلامی معاشیات اور قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں ملک کو سودی کاروبار اور بینکاری کی لعنت سے تدریجی طور پر ہی پاک کیا جاسکتا ہے اور اس کے متبادل ایسا کاروباری نظام جو ملک کی کاروباری ترقی اور معاشی خوشحالی کی راہ میں حائل ۔۔۔۔۔ بھی نہ ہو اور ملک کی نوے فیصد آبادی کو فقر وافلاس سے بچانے کا کفیل بھی ہو آہستہ آہستہ ہی لایا جاسکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ابتدائً اس تبدیلی میں دشواریاں پیش آئیں گی جن کو وہ مٹھی بھر سرمایہ دار طبقہ جن کے منہ سود کا لقمۂ حرام لگ چکا ہے اور وہ بینکار جو محنت کرکے روزی کمانے کی اہلیت کھو چکے ہیں ناقابل عبور بتلائیں گے اور مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے لیکن اگر اسلامی حکومت اور ملک کا دیندار کاروباری طبقہ جن کی اکثریت کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کا ڈر موجود ہے‘ ملک کو سودی لین دین اور بینکاری کی لعنت سے پاک کرنے کا پختہ عزم کر

لیں اور مارشل لاء حکومت برق رفتاری کے ساتھ مارشل لاء قوانین کے ذریعہ اس تبدیلی کو نافذ کرے تو ہمیں یقین ہے کہ بہت جلد ملک اور قوم قہر خداوندی اور انتقام الٰہی یعنی ملک گیر معاشی بحران سے بھی محفوظ ہوجائے گی اور معاشی ترقی کی رفتار پر بھی مطلق اثر نہیں پڑے گا‘ ورنہ تو وہ سرمایہ دار طبقہ جو قہر خداوندی سے بچنا چاہے وہ بطور خود اس متبادل طریق کار کو اختیار کرکے ملک کو سودی کاروبار سے پاک کرسکے گا‘ مگر ظاہر ہے کہ اس کی رفتار بیحد سست ہوگی جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔

اس تبدیلی کی صورت یہ ہے کہ عموماً ہر بینک کے لین دین اور کاروبار کے دو شعبے ہوتے ہیں ایک کا تعلق اندورن ملک کے لین دین اور کاروبار سے ہوتا ہے اور دوسرے شعبہ کا تعلق بیرون ملک کے لین دین اور دوسرے ملکوں کے کاروبار سے ہوتا ہے ظاہر ہے کہ بیرونی ممالک کا تمام لین دین اور کاروبار حکومت کی اجازت اور وساطت سے ہوتا ہے اس لئے حکومتی بینک اسٹیٹ بینک کے علاوہ باقی ملک کے تمام بینکوں سے بیرونی لین دین اور کاربوبار کا شعبہ حکومت بالکل ختم کردے اور اس شعبہ کے لئے اسٹیٹ بینک کو مخصوص کردے تاکہ بیرونی ممالک کا تمام کاروبار اور لین دین حکومت کی نگرانی میں ہو اس صورت میں زر مبادلہ کی خیانتیں بھی بڑی حد تک کم ہوجائیں گی۔ یہ لکھنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس وقت یہی صورت حال قائم ہے کہ بیرونی ممالک سے تمام لین دین اور تجارت اسٹیٹ بینک کے ذریعہ ہی ہورہی ہے۔

اس کے بعد حکومت ملک کے تمام بینکوں کو مارشل لاء قانون (آرڈی نینس) کے ذریعہ مضاربت کے طور پر مشترکہ سرمایہ سے چلنے والی کمپنیوں میں تبدیل کردے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسلامی شریعت جس طرح انفرادی طور پر تجارتی کاروبار کرنے کو جائز اور حلال قرار دیتی ہے اسی طرح بطور مضاربت تجارت کرنے کی بھی اجازت دیتی ہے چنانچہ کتب حدیث وفقہ میں ابواب بیوع کے ذیل میں باب المضاربت بھی ایک مستقل باب آتا ہے۔

عقد مضاربت

مضاربت کا معاملہ درحقیقت ایسے دوفریقوں کے درمیان ایک تجارتی اور کاروباری معاہدہ ہوتا ہے جن میں سے ایک فریق چاہے وہ ایک فرد ہو یا چند افراد کے پاس سرمایہ معاشیات کی اصطلاح کے مطابق اصل (کیپٹیل) موجود ہوتا ہے لیکن وہ اس سرمایہ سے کسی بھی تجارتی یا صنعتی کاروبار کرنے کی اہلیت' تجربہ اور مہارت نہیں رکھتا یا وہ خود کسی بھی وجہ سے کاروبار کرنا نہیں چاہتا دوسرے فریق کے پاس - چاہے وہ ایک فرد ہو یا چند افراد کاروبار کرنے کی اہلیت، تجربہ اور مہارت تو ہوتی ہے مگر اس کے پاس بقدر ضرورت وکفایت سرمایہ نہیں ہوتا یا وہ کسی بھی وجہ سے اپنا سرمایہ کل یا اس کا کوئی جزد کاروبار میں لگانا نہیں چاہتا۔

معاشیات کے اصول کے اعتبار سے بھی اور حقیقت وواقعیت کے لحاظ سے بھی کوئی بھی کاروبار زراعت ہو یا صنعت یا تجارت سرمایہ (اصل) کے بغیر نہیں کیا جاسکتا اور جتنے بڑے پیمانہ پر کاروبار کیا جائے اتنا ہی زیادہ سرمایہ درکار ہوتا ہے۔

اس لحاظ سے مضاربت کے ہر دو فریق کے پاس ایک ایک عامل پیدائش دولت موجود ہے مگر دوسرے عامل کا وہ محتاج ہے ایک فریق کے پاس سرمایہ (اصل) ہے مگر محنت اور عمل کا وہ محتاج ہے فقہ اسلامی کی اصطلاح میں اس فریق کو رب المال (مال کا مالک) کہتے ہیں اور معاشیات کی اصطلاح میں اس فریق کو ''اصل دار'' کہتے ہیں دوسرے فریق کے پاس محنت اور عمل تو ہے مگر وہ سرمایہ (اصل کا محتاج ہے فقہ کی اصطلاح میں اس فریق کو ''مضارب'' کہتے ہیں اور معاشیات کی اصطلاح میں اسے ''عامل'' کہتے ہیں۔

یہ دونوں فریق باہمی رضامندی سے اس سرمایہ (اصل) کے ذریعہ جس کی مقدار متعین ہوتی ہے کسی متعین یا غیر متعین کاروبار کرنے کا معاہدہ کر لیتے ہیں اور طے شدہ شرح کے مطابق جو عموماً نصف نصف ہوتی ہے مخصوص حالات میں کم وبیش بھی ہوسکتی ہے منافعہ کی تقسیم پر رضامند ہوکر اس معاہدہ کی دستاویز لکھا کر کام شروع کر دیتے ہیں۔

رب المال (اصل دار) طے شدہ سرمایہ جس کو فقہ کی اصطلاح میں رأس المال کہتے

ہیں اور معاشیات کی اصطلاح میں اصل کہتے ہیں نقد بطور امانت مضارب (عامل) کے سپرد کر دیتا ہے اور اس میں تصرف کا اپنی طرف سے وکیل بنا دیتا ہے گویا مضارب امین بھی ہوتا ہے اور ''وکیل'' بھی۔ مضارب اس سرمایہ (رقم) سے کاروبار شروع کر دیتا ہے سال ختم ہونے پر دونوں فریق اپنی موجودگی میں کاروبار کا جائزہ لیتے ہیں اور کاروباری مصارف جس میں اگر بڑے پیمانہ پر کاروبار ہو تو مصارف تنظیم بھی یعنی منیجر اس کے دفتر اور عملہ کی تنخواہیں اور دوسرے مصارف بھی شامل ہوتے ہیں نیز مضارب اگر کاروبار کی ضرورت سے سفر کرے تو اس کے اخراجات سفر بھی اور اگر اپنا ہاتھ بٹانے کے لئے ایک یا چند ملازم رکھے تو ان کی تنخواہ بھی کاروباری ضرورت سے آمد ورفت کے اخراجات بھی غرض مضارب کے شخصی [ط] اخراجات کے علاوہ تمام کاروباری مصارف حاصل شدہ منافعہ میں سے منہا کرنے کے بعد جو خالص منافعہ بصورت نقد ہوا سے طے شدہ شرح کے مطابق آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اس لحاظ سے مضارب منافعہ میں شریک بھی بن جاتا ہے۔

گویا ابتداء میں محض امین اس کے بعد وکیل ہوتا ہے اور آخر میں شریک بن جاتا ہے اور اگر کاروبار میں نقصان ہو تو اس خسارہ کا مالی بار صرف رب المال کے مال پر پڑتا ہے اور مضارب کو اپنی محنت' عمل اور وقت کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے یعنی سال بھر محنت ومشقت اٹھانے کے باوجود اسے کچھ نہیں ملتا ہر دو فریق آئندہ سال کے لئے اگر کاروبار جاری رکھنا چاہیں تو معاہدہ کی تجدید کر لیں ورنہ ختم کر دیں اور جو اثاثہ کاروبار کی ضرورت سے رأس المال میں سے خریدا گیا ہو' اگر کاروبار میں منافعہ ہوا ہو تو مضارب بصورت فسخ اس اثاثہ کو رأس المال کے ساتھ شامل کر کے رب المال کو واپس کر دے اور اگر منافعہ تو نہیں ہوا مگر رأس المال پورا کا پورا محفوظ ہے تو اس اثاثہ کو منافعہ قرار دے کر آپس میں تقسیم کر لیں اور اگر رأس المال پورا محفوظ نہ ہو تو اس اثاثہ سے رأس المال کے خسارہ کو پورا کریں اگر کچھ بچے تو بطور منافع آپس میں تقسیم کر لیں۔

مضاربت کی اس تفصیل کو سمجھ لینے کے بعد موجودہ بینکوں کو مضاربت کے طور پر

(ط) اگر کاروبار نفع میں چل رہا ہو تو مضارب کا رب المال کی اجازت سے اپنے اہل وعیال کے اخراجات کے لے بقدر ضرورت رقم لے سکتا ہے جو منافع تقسیم کرنے کے وقت مضارب کے حصہ میں محسوب ہوگی اور اگر کاروبار میں خسارہ ہوا تو یہ رقم واپس کرنی پڑے گی۔ (از مصنف)

مشترکہ سرمایہ سے چلنے والی کمپنیوں کی شکل میں تبدیل کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ حکومت ایک مارشل لاء قانون کے ذریعہ ہر بینک کے مالکان کو جنہوں نے ابتدائی سرمایہ لگا کر بینک جاری کیا اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے سود حاصل کرنے کے لئے بینک میں بیک وقت یا مختلف اوقات میں سرمایہ جمع کیا ہے (ڈپازیٹرس) ان سب کو مضاربت کا ایک فریق یعنی رب المال (اصل دار) قرار دیدے اور ان سب کا اصل سرمایہ جو مالکان بینک نے بینک میں لگایا ہے جو ڈپازیٹرس نے بینک میں داخل کیا ہے اس تمام اصل سرمایہ کو مضاربت کا رأس المال (اصل) قرار دیدے بینک نے جن کاروبار کرنے والے افراد یا پارٹیوں کو کاروبار چلانے کے لئے سود پر سرمایہ ادھار دیا ہے اس سب کو چاہے ان کی تعداد کتنی ہی ہو مضارب (عامل) قرار دیدے اور بینک کے تنخواہ دار ملازمین اور عملہ کو اس تجارتی کمپنی کا ملازم اور عملہ قرار دیدے۔

اور ہر فریق کو اس انقلاب اور تبدیلی کی باضابطہ اطلاع دیدی جائے یعنی مالکان بینک اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے بینک میں سرمایہ جمع کیا ہے (ڈپازیٹرس) کو بتلادیا جائے کہ بینک کو مضاربت کے طور پر مشترک سرمایہ سے چلنے والی تجارتی کمپنی کی صورت میں تبدیل کردیا گیا ہے اور آپ کا اصل سرمایہ بلاسود جس کی مقدار اتنی اتنی ہے اس تجارتی کمپنی کے سرمایہ (رأس المال) میں شامل کردیا گیا ہے جس میں فلاں فلاں کاروبار فلاں فلاں افراد یا پارٹیاں کررہی ہیں اور آپ کو اس تجارتی کمپنی کے فریق رب المال (اصل داروں) کا رکن (ممبر) بنادیا گیا ہے سال پورا ہونے پر آپ کی موجودگی میں حساب ہوگا اور اس کاروبار کا خالص منافعہ نقد سرمایہ کی مقدار کے تناسب سے تمام اصل داروں پر حصہ رسد تقسیم کردیا جائے گا آپ کو بھی آپ کی رقم کی نسبت سے سود کے بجائے تجارتی منافعہ ملے گا معاشیات کی اصطلاح میں اس منافعہ کو مقسوم کہتے ہیں ہمیں یقین ہے کہ یہ منافعہ اس سود سے کسی طرح کم نہ ہوگا جو بینک سے آپ کو ملتا بلکہ زیادہ ہی ہوگا اور جن افراد یا پارٹیوں کو بینک نے سود پر روپیہ قرض دیا ہے اور وہ اپنا اپنا کاروبار کررہی ہیں ان کو بتلادیا جائے کہ آپ کے پاس جو بینک کا روپیہ ہے جس کی مقدار اتنی اتنی ہے وہ آج سے ایک مشترک سرمایہ سے چلنے والی تجارتی کمپنی کا سرمایہ ہے اور اس سرمایہ سے جو کاروبار آپ کررہے

ہیں وہ آج سے اسی تجارتی کمپنی کا کاروبار ہے اور آپ اس کمپنی کے کارکن فریق مضاربین کے رکن ہیں اور آپ اس سرمایہ کے امین اور کاروباری تصرف میں ارباب اموال (اصل داروں) کی جانب سے وکیل ہیں سال پورا ہونے کے بعد پورے کاروبار کا جائزہ لیا جائے گا اور مصارف کاروبار منہا کرنے کے بعد اصل سرمایہ راس المال پر جو نقد خالص منافعہ ہوگا وہ نصف ارباب اموال کو دیدیا جائے گا اور نصف مضاربین کو جن میں سے ایک آپ یا آپ کی پارٹی ہے ہمیں یقین ہے کہ یہ منافعہ اس منافعہ سے کسی طرح کم نہ ہوگا جو بینک کو اصل سرمایہ مع سود واپس کرنے کے بعد آپ کے پاس بچتا۔ اگر حکومت اس قسم کا اقدام کسی بھی وجہ سے نہ کرے تو خداترس مالکان بینک خود اپنے قرض خواہوں (امانتداروں) اور قرضداروں کے باہمی سمجھوتے اور رضامندی سے اس قسم کی تبدیلی عمل میں لاسکتے ہیں اور اپنی حرام کمائی کو خدا کے حکم پر عمل کرکے حلال بناسکتے ہیں اور ہر فریق میں سے جو فرد یا پارٹی اس تبدیلی کو قبول نہ کرے تو اگر وہ ارباب اموال (اصل داروں) میں سے ہو تو اس کا اصل سرمایہ بلاسود واپس کردیا جائے اور اگر عاملین (مضاربین) میں سے ہو تو اس سے اصل سرمایہ جو اس نے بینک سے قرض لیا تھا بلاسود واپس لے لیا جائے اس لئے کہ مضاربت کے صحیح اور جائز ہونے کے لئے فریقین کی رضامندی شرط ہے ہم ذیل میں ایک مثال سے اس تبدیلی کی صورت اور سودی کاروبار اور بلاسودی کاروبار کا فرق واضح کرتے ہیں، مثال:

بینکاری سسٹم کے تحت ایک تجارتی بینک کا چٹھا (بیلنس شیٹ)

منظور شدہ سرمایہ ایک لاکھ روپیہ

ذمہ داریاں (لائبلیٹیز) اثاثے (اسسٹس)

۱- طلبی امانتیں یا جاری کھاتے (کرنٹ اکاونٹ ۲۵۰۰۰ رنقد کیش الف تجوری میں

۵۰۰۰

۲- میعادی امانتیں (ٹائم ڈپازٹ یا ڈپازٹ اکاونٹ ۷۵۰۰۰: (۱) اسٹیٹ بنک

میں ۵۰۰۰

زراطلاعی منی ایٹ کال ۳۰۰۰ ہنڈیاں بلز ۵۰۰۰ خزانہ کی ہنڈیاں بلزف ٹریجری ۵۰۰۰ سرمایہ کاری سکورٹیز یاباؤنڈس ۱۰۰۰۰ کاروباری قرضے ۵۰۰۰۰

کسی بینک کی کامیابی یعنی زیادہ سے زیادہ نفع اندوزی کا مدار، زیادہ سے زیادہ میعادی امانتیں ڈپازٹ اکاؤنٹس حاصل کرنے اور اس رقم سے زیادہ سے زیادہ کاروباری قرضے دینے پر ہے مگر اس کے اعتبار (ساکھ) کا مدار عندالطلب ذمہ داریوں (امانتوں) کی ادائیگی اور واپسی کی اہلیت پر ہے اس لئے بنک طلبی امانتیں (کرنٹ اکاؤنٹ) محض نقد رقم کیش اپنے ہاتھ میں رکھنے کی غرض سے حاصل کرتا ہے اسی طرح ''اثاثوں'' میں نمبر (۱) سے (۵) تک کی مدیں بھی وہ نقد رقم محفوظ رکھنے یا فوری طور پر نقد رقم حاصل کرسکنے کی غرض سے ''زرنقد یا زرسیال'' یعنی محفوظ سرمایہ کے طور پر رکھتا ہے اگرچہ نمبر (۲) سے نہایت قلیل شرح پر سود کی شکل میں اور نمبر (۳) و (۴) و (۵) سے کٹوتی کی صورت میں کسی قدر منافعہ حاصل کرتا ہے مگر وہ نہ ہونے کی برابر ہے یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے کہ دونوں قسم کی امانتوں میں سے بوقت طلب مطلوب مقدار واپس کرنے کی ذمہ داری سے بینک سبکدوش ہوسکے اور اپنا اعتبار (ساکھ) قائم رکھ سکے اسی وجہ سے وہ ایک لاکھ کے مہیا شدہ سرمایہ میں سے صرف پچاس ہزار روپیہ کاروباری طبقوں کو معقول شرح سود پر قرض دیتا ہے جو از روئے قانون دس فیصد سے زائد نہیں ہوتی۔

اب فرض کیجئے یہ کاروباری طبقے اس رقم سے کاروبار کرتے ہیں اور سال بھر میں کاروبار کے مصارف نکال کر پچیس فیصدی منافع کی شرح سے ۱۲۵۰۰ ہزار روپیہ کاروبار سے منافعہ کماتے ہیں اس منافعہ میں سے دس فیصد کی شرح سے ۵۰۰۰ ہزار روپیہ سود کا بینک کو ادا کرتے ہیں تو ۵۰۰۰ ہزار روپیہ ان کے پاس بچتا ہے اور بینک اس ۵۰۰۰ ہزار کی رقم میں سے ۵۰۰۰ ہزار امانت داروں (ڈپازٹیرس) کو چار فیصد کی شرح ۳۰۰۰ ہزار روپیہ سود دیتا ہے تو ۲۰۰۰ ہزار روپیہ بینک کے پاس بچتا ہے۔

مضاربت کی شکل میں اس بینک کی تبدیلی

اگر مذکورہ بنک کے چھٹے میں سے کاروباری قرضوں کے عنوان سے دیئے

ہوئے ۵۰,۰۰۰ ہزار روپے کو مضاربت کے تحت رأس المال اور ان میعادی امانتیں جمع کرنے والوں کو رب المال (اصل دار) اور کاروباری طبقے کو مضارب (عامل) قرار دیدیا جائے اور اس کاروبار کو فریقین عقد مضاربت کے تحت کیا جانے والا کاروبار تسلیم کرلیں اور سال گذرنے کے بعد اس کاروبار سے حاصل شدہ ۱۲۵۰۰ خالص منافعہ کو دوتہائی اور ایک تہائی کی نسبت سے کاروباری طبقے اور امانتداروں (ڈپازٹیرس) کے درمیان تقسیم کیا جائے تو تقریباً ۸۳۳۲ روپیہ خالص منافعہ تو ملتا ہے کاروباری طبقہ کو جو بینکاری کے ذریعہ حاصل شدہ سودی منافعہ سے ۸۳۲ روپے زیادہ ہے امانت داروں کو ۴۱۶۶ روپیہ حلال منافعہ ملتا ہے جو بینکاری کے ذریعہ حاصل شدہ سود سے ۱۱۶۶ روپے زائد ہے اس مضاربت کی صورت میں اس تجارتی کمپنی کا نظم قائم رکھنے والے منتظمین وملازمین کی تنخواہیں اور دوسرے تنظیمی اخراجات کاروبار کے مصارف میں شمار ہوں گے۔

ہم نے مذکورہ بالا مثال میں صرف کاروباری طبقے کو دیئے ہوئے قرضوں کی رقم ۵۰,۰۰۰ ہزار کو جو کل مہیا شدہ سرمایہ ایک لاکھ کا نصف ہے رأس المال (اصل) اس لئے رکھا ہے کہ درحقیقت کاروبار میں لگی ہوئی رقم یہی ہے باقی نصف رقم تو بینک اپنے اثاثوں (ایسس) میں اپنی ذمہ داریوں (لائبلیٹیز) کی ادائیگی کی صلاحیت اور اہلیت کو محفوظ رکھنے کی غرض سے زرنقد یا زرسیال کی صورت میں رکھتا ہے کیونکہ وہ امانت داروں سے بوقت طلب امانتیں واپس کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے اسی سے مذکورہ بالا چھٹے کی رو سے صرف ۲۰۰۰ روپیہ سود کی آمدنی سے بینک کو ملا ہے مگر ظاہر ہے کہ بینک کے لئے اس آمدنی کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے اونٹ کی داڑھ میں زیرہ' بینک تو دنوں اور ہفتوں میں ہزاروں روپیہ ان لوگوں کی جیبوں سے کھینچتا ہے جو اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں تو ہوتا یہ ہے کہ بینک زیادہ سے زیادہ منافعہ (سود) کمانے کی غرض سے اپنے اصل اثاثوں سے کئی گنا زیادہ قرضے کاروباری طبقوں کو دے ڈالتا ہے چنانچہ اگر تمام امانت دار (ڈپازٹیرس) بیک وقت اپنی اپنی امانتوں کی ادائیگی کا مطالبہ کر بیٹھیں تو بینک ہرگز نہ ادا کرسکے مگر بینک محض اپنے مہاجنی ہتھکنڈوں سے امانتداروں میں اپنے اعتماد (ساکھ) کو بھی قائم رکھتا ہے اور سود کے ذریعہ کاروباری طبقوں کے منافع کا بھی استحصال کرتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ

کاروباری طبقے زراندوزی کی طمع میں امانتدار طبقے (ڈپازیٹرس) بینک سے اپنی امانتوں سے زائد (اور ڈرافٹ) قرضے لے کر بینک کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں اور بالکل بے بس ہوجاتے ہیں۔

مضاربت ایک عقد شرعی ہے اس میں اس قسم کی چال بازیوں اور فریب کاریوں کی قطعاً گنجائش نہیں وہ ارباب اموال (اصل داروں) اور مضاربین (عاملین) کے درمیان کسی بندر بانٹ کرنے والے واسطہ یعنی بینک اور بینکار کا وجود قطعاً برداشت نہیں کرسکتا اور بطور مضاربت کئے جانے والے کاروبار کے مقسوم (غیر یقینی اور غیر متعین) منافعہ کو اگر ہو طے شدہ شرح کے مطابق ارباب اموال اور مضاربین کے درمیان تقسیم کردیتا ہے۔

غیر ملکی بینک

سودی لین دین اور سودی کاروبار کا تسلط ایسا انسانیت کش قومی جرم اور معاشی استیصال ہے کہ اس کی اجازت ایک اسلامی ملک میں غیر مسلم رعایا غیر ممالک کے افراد یا تجارتی اداروں کو اسی طرح نہیں دی جاسکتی جیسے ملک کے امن وامان کو تباہ کرنے والی سرگرمیوں کی یا حکومت کے خلاف منافرت پھیلانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی لہذا جو غیر ملکی بینک اس تبدیلی کو اختیار نہ کرے اس پر حکومت فوراً قبضہ کرلے اور کسی دوسری پارٹی کو دیدے جو اس بینک کے مالکان کو ان کی املاک واثاثہ کی قیمت اور بینک میں لگا ہوا اصل سرمایہ بلاسود ادا کرنے اور بینک کو مضاربت کے طور پر مشترکہ سرمایہ سے چلنے والی تجارتی کمپنی کے طور پر چلانے کا ذمہ لے ورنہ حکومت خود جتنا سرمایہ اس بینک نے لوگوں کو سود پر دیا ہوا ہے ان لوگوں سے اصل سرمایہ بلاسود واپس لے کر ان لوگوں (ڈپازیٹرس) کو بلاسود ادا کردے جنہوں نے اس بینک میں سرمایہ جمع کیا ہوا اور بینک کے مالکان کو بھی ان کا اپنا لگایا ہوا اصل سرمایہ اگر کچھ ہو اور املاک واثاثہ کی قیمت یک مشت نہ سہی بالاقساط ادا کردے۔

سود ایک ایسا لقمہ حرام ہے کہ جس کے منہ یہ لگ جاتا ہے اس کا چھٹنا بڑا ہی دشوار ہوتا ہے آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ سود خوری انسان کو ایسا مفت خوری کا عادی بنادیتی ہے کہ پھر وہ کما کر

کھانے کے قابل بالکل نہیں رہتا اس لئے بینکوں کو تجارتی کمپنیوں کی صورت میں تبدیلی اسی وقت ممکن ہے جبکہ مارشل لا حکومت مارشل لا آرڈی ننس کے ذریعہ بیک وقت ملک کے تمام بینکوں کو تجارتی کمپنیوں میں تبدیل کردے تاکہ سود کی لالچ میں بینکوں میں روپیہ جمع کرنے والوں (ڈپازیٹرس) کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہ رہے کہ وہ تجارتی کمپنی کے حصہ دار بنیں اور سود کے بجائے منافعہ پر اکتفاء کریں اسی طرح بینکوں سے سود پر قرض لے کر کاروبار کرنے والوں کے لئے بھی اس کے سوا کاروبار چلانے کا کوئی راستہ نہ رہے کہ وہ ان تجارتی کمپنیوں کے عامل (مضارب) بن کر کاروبار کریں ہمیں یقین ہے کہ ایک سال کا منافعہ تقسیم ہونے کے بعد ہی ہر فریق اس طریق کار سے مطمئن ہوجائے گا۔

غیر پیدا آور قرضے اور انجمن ہائے قرض حسنہ

اسی طرح ملک میں نجی طور پر سود لینے اور دینے کو بھی ممنوع اور قابل سزا معاشی جرم قرار دیدے اور غیر کاروباری ضروریات کے لئے قرض حاصل کرنے کے لئے معاشیات کی اصطلاح میں غیر پیدا آور قرضوں کے لئے حکومت اسٹیٹ بینک کی نگرانی میں انجمن ہائے قرض حسنہ ملک میں قائم کرے جو واپسی کی قابل اطمینان ضمانتوں کے بعد لوگوں کو معین شرائط کے ساتھ قرض حسنہ دیں کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں ضرورتمندوں کے لئے قرض حسنہ کا انتظام کرنا بھی داخل ہے چنانچہ ہمیشہ اسلامی حکومت کے بیت المال (سرکاری خزانہ) میں قرض حسنہ کی مستقل مد ہوا کرتی تھی۔

محض جمع اور محفوظ کرنے کی غرض سے بینکوں میں پس انداز روپیہ جمع کرنے والے اور ان کے لئے ودیعت خانے

ایسے ضرورت مندوں کی رقموں کو محفوظ کرنے کے لئے جو اپنی پس انداز کی ہوئی رقم کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں حکومت اسٹیٹ بینک میں ودیعت خانے قائم کردے اور اس حفاظت پر جو ضروری مصارف ناگزیر ہوں وہ ان جمع کرنے والوں سے وصول کرے۔ ہوسکتا ہے کہ انجمن

ہائے قرض حسنہ کا ہی ایک شعبہ ان ودیعت خانوں کو بنایا جائے بشرطیکہ وہ کسی بھی صورت میں ان امانتوں میں تصرف نہ کرنے کی ذمہ داری لیں۔

مضاربت کی عالمگیر مقبولیت

مضاربت ہی وہ طریقہ تجارت ہے جس کے ذریعہ مسلمان تاجروں نے اپنے اچھے دور میں اپنی تجارت کا دائرہ ایشیا وافریقہ جیسے دنیا کے براعظموں تک پھیلایا ہے جبکہ مغربی اقوام اس طریق تجارت سے واقف تک نہ تھیں اس لئے کہ ہر سرمایہ دار خود دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنے سرمایہ سے کاروبار کرنے کے لئے نہیں پہنچ سکتا ہاں مضاربت کے ذریعہ وہ اپنے سرمایہ کو انسانیت کی معاشی فلاح وبہبود کے لئے اپنے وکلاء محنتی اور جفاکش مضاربین کے ذریعہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا سکتا ہے اور دولت سرمایہ کی گردش جاری وساری رہ سکتی ہے۔

مسلمان تاجروں کی اس عالمگیر کامیابی کو دیکھ کر مغربی اقوام نے بھی ایک زمانہ میں اپنے ممالک میں مضاربت کے ذریعہ تجارت کرنی شروع کی ہے خاص کر ان یورپین' عیسائی قوموں نے جو سودی لین دین اور سودی کاروبار کو حرام سمجھتی تھیں مثلاً فرانس' اسپین وغیرہ لاطینی مشرقی ممالک چنانچہ ڈاکٹر یوسف الدین اپنی کتاب اسلام کے معاشی نظریئے ج:۱' ص:۲۲۳ پر پروفیسر آرنسٹ نیس کی کتاب ہسٹری آف اکنامکس کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

> ''کمندا (قراض) کی اصل عربی ہے حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں بھی اس کارواج عام تھا مسلمانوں کی پوری تجارت کا یہی سرچشمہ تھا جس وقت کہ عیسائی تاجر قراض (مضاربت) کے ذریعہ کاروباری مہم چلانا جانتے بھی نہ تھے اس وقت مسلمانوں نے ایشیا وافریقہ کے بڑے بڑے علاقوں میں اس کو رواج دیا بحیرہ روم کے عیسائی ممالک خاص کر لاطینی مشرقی ممالک اور اسپین وغیرہ میں بھی اس کارواج عام ہوا پندرہویں صدی عیسوی میں یہ تجارتی کاروبار کرنے کا ایک عالمگیر طریقہ بن گیا خصوصاً سود کو ممنوع قرار دینے کی بنا پر فرانس کے بادشاہ لوئی دہم نے بھی اس کے متعلق قانون وضع کئے''

(آرنسٹ نیس ہسٹری آف اکنامکس ص:۲۸۶)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مضاربت کے اس عالمگیر اسلامی طریقہ کو ہی شکست دینے اور ناکام بنانے کے لئے کسی خدا دشمن ملعون ومغضوب یہودی نے بینکنگ سسٹم کو اختراع کیا ہے اور دنیا بھر کے لاکھ پتی اور کھرب پتی سودخوار یہودیوں نے ان پر خدا کی لعنت ہر ملک اور اس کے ہر چپہ میں سود دینے اور سود لینے والے بینکوں کا جال پھیلایا ہے اور سرمایہ دار حکومتوں نے اپنی شخصی اور سیاسی اغراض کے لئے ان بینکوں کو قانونی تحفظ دے کر دنیا کے کاروبار پر چھا جانے کے مواقع بہم پہنچائے ہیں جس کے نتیجہ میں آج دنیا کی تمام سرمایہ دار ملکوں امریکہ' فرانس' برطانیہ وغیرہ کی نہ صرف تجارت وصنعت بلکہ سیاست پر بھی یہی مٹھی بھر سرمایہ پرست سودخوار یہودی چھائے ہوئے ہیں اور جونک کی طرح انسانیت کا خون چوس رہے ہیں نہ صرف یہ بلکہ اربوں' کھربوں ڈالر سائنسی اور ایٹمی ایجادات ومصنوعات اور مہلک زہریلی گیسوں پر خرچ کر کے آباد دنیا کو عالمگیر ہلاکت یعنی قیامت کے کنارے پر لا کھڑا کر دیا ہے صرف احکم الحاکمین کے حکم کی دیر ہے۔

کہنے کو یہ ممالک ترقی یافتہ اور سرمایہ دار کہلاتے ہیں ان کی خوشحالی اور تعیش کی داستانیں بڑی آب وتاب کے ساتھ مرعوب کن انداز میں اخباروں اور رسالوں میں شائع کی جاتی ہیں ناواقف قاری کہتے ہیں کہ ان ملکوں کے عوام بڑے خوشحال وفارغ البال ہوں گے خدا کی رحمت اور فضل کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے لیکن ان ملکوں کے اندرونی اور عوامی حالات سے واقف حقیقت شناس لوگ جانتے ہیں اور بچشم خود مشاہدہ کرتے ہیں کہ مٹھی بھر سودخوار یہودیوں اور ان کے پروردہ حکمرانوں مل مالکوں اور صنعتکاروں کو چھوڑ کر جو دراصل ان یہودیوں کے ایجنٹ ہیں ان ملکوں خصوصاً امریکہ کے عوام ضروریات زندگی روٹی' کپڑا اور مکان تک کو ترس رہے ہیں اور متوسط الحال طبقہ بھی معاشی اعتبار سے بالکل آٹومیٹ خودکار مشینی زندگی بسر کر رہا ہے لعنت ہو ایسی ترقی پر اور لعنت ہو ایسی سرمایہ داری پر۔

یہ انسان کی معاشی تباہی' نتیجہ ہے صرف دولت کے انجماد کا یعنی ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھوں میں سمٹ آنے اور جام ہو جانے کا جس کا واحد ذریعہ ہے بینکاری سسٹم اور سودی کاروبار کا

تسلط، خدا ہر ملک کو اس معاشی تباہی سے بچائے۔ اس لحاظ سے یہی ایک اسلامی ملک کا فرض ہے کہ اس یہودی لعنت یعنی بینکاری سسٹم اور سودی کاروبار کا اپنی پاک سرزمین سے قلع قمع کر کے اس کی جگہ مضاربت کے اسلامی طریق تجارت و کاروبار کو یہودیوں کے علی الرغم اختیار کرے اور ملک میں فروغ دے۔

مضاربت میں مضارب کو شخصی ضروریات اور ذاتی اخراجات کے لئے رأس المال میں سے کچھ نہ دینے کی مصلحت

مضاربت میں ختم سال تک مضارب کو رأس المال (اصل) میں سے اپنی اہل وعیال کے اخراجات اور دوسری ذاتی ضروریات کے لئے کچھ نہ دینے کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ مضارب اپنی تمام تر توانائی، مہارت اور اہلیت کاروبار کو نفع بخش بنانے میں ۔۔۔ صرف کرے اس یقین کے ساتھ کہ اگر اس نے ذرا بھی کوتاہی کی یا کاروبار سے غفلت برتی اور منافعہ نہ ہوا تو اس کی سارے سال کی محنت ضائع جائے گی اور اس کو ایک پیسہ بھی نہ ملے گا یہی وجہ ہے کہ ناگہانی حادثات اور آسمانی آفات کی صورت کے علاوہ ہمیشہ مضاربت میں منافعہ ہوتا ہے شرعی اعتبار سے تو رأس المال (اصل سرمایہ) مضارب کے پاس امانت ہوتا ہے مضارب اس میں وہی تصرف کر سکتا ہے جس کی رب المال (اصل دار) اجازت دیتا ہے اسی وجہ سے اگر رأس المال کسی ناگہانی حادثہ میں کل یا اس کا کوئی جز ضائع ہو جائے تو مضارب پر اس کا تاوان بالکل نہیں آتا۔

مضاربت کے متعلق ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ممکن ہے کوئی کج اندیش سودی کاروبار کرنے والا یا بینکوں کا حامی سودخوار یہ اعتراض کرے کہ: کسی بینک میں روپیہ جمع کرا کے سود لینے میں، یا کسی کاروبار کرنے والے کو سود پر روپیہ ادھار دیکر سود لینے میں اور رب المال (اصل دار) کے مضارب کو کاروبار کرنے کے لئے روپیہ دے کر منافعہ میں حصہ بٹانے میں کیا فرق ہے؟ نہ وہاں ڈپازیٹر (امانت دار) کچھ محنت کرتا اور مشقت اٹھاتا ہے نہ یہاں رب المال کچھ محنت ومشقت کرتا ہے وہ بھی گھر بیٹھے سود لیتا ہے یہ بھی

گھر بیٹھے منافع میں حصہ بٹاتا ہے یہ وہی بات ہے جو حرمت سود کے وقت عرب کے سودخواروں نے کہی تھی:

﴿إنما البيع مثل الربوا﴾[1] اس کے سوا نہیں کہ بیع وشراء بھی تو سود ہی کے مانند ہے، اس کا جواب حاکم مطلق خالق کائنات نے تو اپنی شان جلال کے مطابق دیا ہے: ﴿و أحل الله البيع وحرم الربوا﴾[2] اللہ نے بیع وشراء کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے یعنی کتنا بڑا فرق ہے کہ بیع وشرا کو جس کی ایک قسم مضاربت ہے مالک حقیقی نے حلال کیا اور سود کو حرام فرمایا ہے وہی اس کی حکمت جانتا ہے، تم کون فرق پوچھنے والے؟ تمہیں کیا حق ہے اعتراض کا؟

سود اور منافعہ میں فرق

عرب کے سودخواروں میں پھر بھی کچھ سلامتی تھی چپ ہو گئے مگر اس زمانہ کے سودخوار یا ان کے ایجنٹ کب مانتے ہیں اس لئے سود اور منافعہ میں فرق سنئے:

① کسی بھی کاروبار میں منافعہ کا ہونا یقینی نہیں ہوتا نفع بھی ہوتا ہے نقصان بھی، اس کے برعکس سود سرمایہ دینے والے کو یقینی ملتا ہے چاہے کاروبار میں نقصان ہی نقصان ہو۔

② کسی بھی کاروبار میں منافعہ کی شرح اور مقدار متعین نہیں کی جا سکتی اس کے برعکس سود کی شرح اور مقدار سرمایہ دینے اور لینے کی وقت ہی معین کر دی جاتی ہے۔

③ معاشیات کے نقطۂ نظر سے منافعہ وہ ہے جو پیدائش دولت کے لئے محنت ومشقت اٹھانے کے بعد حاصل ہو خواہ یہ محنت ومشقت جسمانی ہو یا ذہنی یعنی نقصان کا خطرہ مول لینا جبکہ سود بلا محنت ومشقت اور بغیر نقصان کا خطرہ مول لئے حاصل ہوتا ہے۔

④ معاشیات کی اصطلاح میں تجارت وصنعت کے اندر عامل پیدائش دولت تین ہیں:

① محنت ② اصل سرمایہ ③ تنظیم

لیکن سرمایہ (اصل) اسی صورت میں عامل پیدائش ہے جبکہ اسے کسی پیداآور کاروبار

[1] البقرة: ۲۷۵
[2] البقرة: ۲۷۵

تجارت یا صنعت وغیرہ میں لگایا جائے مضاربت میں رب المال (اصل دار) اپنے وکیل یعنی مضارب کے ذریعہ اپنے سرمایہ (اصل) کو تجارت یا صنعت میں لگاتا ہے اصل کا یہ شغل (سرمایہ کا یہ معاشی مصرف) معاشیات کے عین مطابق ہے اس کے برعکس سود خوار اپنے سرمایہ (اصل) کو کسی پیدا آور کاروبار تجارت یا صنعت میں لگانے کے بجائے نقصان سے محفوظ اور یقینی طور پر حاصل ہونے والا اضافہ (سود) حاصل کرنے کی غرض سے اپنے سرمایہ کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے میں لگاتا ہے اس لحاظ سے سرمایہ (اصل) کا یہ شغل (سود پر دینا) معاشیات کے مسلمہ اصول کے منافی ہے۔

⑤ سود خوار اپنے سرمایہ (اصل) کو چونکہ یقینی طور پر زیادہ سے زیادہ بڑھانے میں ہی لگاتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کا سرمایہ (اصل) سودی لین دین اور سودی کاروبار کے ذریعہ سود خواروں کے پاس سمٹتا چلا جاتا ہے اور انجماد دولت کا سبب بنتا ہے جو ملکی اور قومی معاشی نظام کے لئے تباہ کن اور معاشی بحران کا موجب ہے اس کے برعکس مضاربت میں رب المال (اصل دار) اپنے سرمایہ (اصل) کو اپنے وکیل مضارب کے ذریعہ تجارت یا صنعت میں لگاتا ہے جو گردش دولت کا قطعی اور یقینی سبب اور ملک کی معاشی ترقی کا موجب ہے۔

⑥ معاشیات کی اصطلاح کے اعتبار سے بھی مبادلہ دولت تبادلہ کی دونوں جانبوں میں "دولت" یعنی مال کو چاہتا ہے اسی لئے معاشیین نے مبادلہ دولت کی دو ہی صورتیں بیان کی ہیں:

① جنس کا تبادلہ جنس سے

② جنس کا تبادلہ اس کی قیمت (زر) سے۔

فقہ اسلامی کی رو سے بھی بیع کی تعریف ہے:

"مبادلة المال بالمال بالتراضي"[1]

باہمی رضامندی سے مال کا مال سے تبادلہ کرنا۔

[1] كنز الدقائق: ص: ٢٠٦، كتاب البيوع، مطبع محمد بمبيء، شامي: ٤/٥٠٢، ط: سعيد کراچی۔

لہذا نہ معاشیات کی رو سے کچھ دیئے بغیر کسی سے مال لینے کے جواز کی کوئی گنجائش ہے اور نہ فقہ اسلامی کے لحاظ سے عوض کے بغیر مال لینے کا جواز ہے اور ظاہر ہے کہ سود خوار جس سے سود لیتا ہے اس کے عوض اس کو کچھ نہیں دیتا سادہ لفظوں میں کہئے: سود کسی بھی چیز کا معاوضہ نہیں بن سکتا لہذا قرآن حکیم کے حکم:

﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ [البقرة:١٨٨]

ترجمہ: تم آپس میں باطل طریق پر مال مت کھایا کرو۔

کے مطابق سود اکل بالباطل ہے اور قطعاً حرام ہے اگرچہ باہمی رضامندی سے لیا دیا جائے بالکل ایسے ہی جیسے باہمی رضامندی سے زنا حرام اور موجب حد جرم (لائق سزا جرم) ہے اگرچہ باہمی رضامندی سے کیا جائے یا قتل نفس قابل قصاص جرم ہے اگرچہ باہمی رضامندی سے ہو اسی لئے ہمیشہ اور ہر معاشرہ میں سود خوار کو معاشی مجرم سمجھا گیا ہے اور لعنت وملامت کی سنگ باری سے سنگسار کیا گیا ہے۔

سرمایہ دارانہ بلاک کے معاشیین نے سود کو کسی چیز کا معاوضہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا ہے مگر وہ اس سے زیادہ نہیں ثابت کر سکے کہ سود انتظار کشی کا معاوضہ ہے مگر وہ اس بات کو قطعاً بھول گئے یا جان کر بھلا دیا کہ خود معاشیات کی رو سے انتظار کشی "دولت" یعنی "مال" نہیں ہے کہ سود اس کا معاوضہ بن سکے اور مبادلہ دولت کے تحت آ جائے نہ ہی یہ انتظار کشی معاشیات کی اصطلاح کے مطابق پیدا آور محنت ہے۔

بہر حال ایک اسلامی ملک کو سودی کاروبار اور بینکاری وسرمایہ کاری کے انسانیت کش معاشی جرم اور قہر الٰہی کے چیلنج کو قبول کرنے والی اس لعنت سے ضرور پاک ہونا چاہئے خاص کر جبکہ اس ملک کے کاروباری طبقہ کی اکثریت دیندار ہے دل سے چاہتی ہے کہ وہ اس دینی اور دنیوی عذاب کی گرفت سے جلد از جلد آزاد ہو جائے لیکن بینکاری نظام کے تسلط کی وجہ سے مجبور وبے بس ہے۔

اب تک سودی کاروبار اور بینکاری وسرمایہ کاری کو فروغ دینے والوں نے سچ یا جھوٹ

اپنی مجبوری یہ کہہ کر ظاہر کی ہے کہ:

"ہم بلا سود کاروبار کیسے کریں جبکہ علماء دین اس سودی کاروبار اور بینکاری کے بجائے کوئی ایسا متبادل نظام نہیں بتلاتے جو ملک کی معاشی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہو"

اسی عذر کو ختم کرنے کے لئے "تا نجانہ باید رسانید" کے بمصداق حجت پوری کرنے کے نقطۂ نظر سے مضاربت کا یہ متبادل نظام اور بینکوں کو مضاربت کے طور پر مشترک سرمایہ سے چلنے والی کمپنیوں کی شکل میں تبدیل کردینے کا طریقہ اور اس کی عملی تطبیق وتنقید کی صورت پیش کی گئی۔

اگر چہ ملک کے موجودہ غیر سرکاری بینکوں کو ان کے مالکان اور ڈپازٹیر قہر خداوندی اور انتقام الٰہی سے بچنے کی غرض سے از خود رضا کارانہ طور پر بھی تجارتی کمپنیوں کی صورت میں تبدیل کرسکتے ہیں مگر یہ سود ایسا شکر میں لپٹا ہوا زہر ہے کہ جس کو اس کا چسکہ لگ جاتا ہے اور گھر بیٹھے بے محنت ومشقت ہزاروں، لاکھوں کے وارے نیارے کرلینے کی عادت پڑ جاتی ہے اس کے منہ سے اس لقمۂ حرام کو نکالنا حکومت کی طاقت کے بغیر دشوار ہے اگر جب تک خود حکومت عملی طور پر اسلامی نہ ہو یعنی حقیقی معنی میں مسلمان نہ ہو اس وقت تک یہ ملک گیر نہ صرف دینی بلکہ معاشی انقلاب نہیں لایا جاسکتا ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کس کی حکومت ہو اور کیسی حکومت ہو ہم تو ہر اس حکومت سے جو اس وقت برسر اقتدار ہے یا آئندہ برسر اقتدار آئے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر وہ مسلمان ہے تو سب سے پہلے اپنے مسلمان ہونے کا عملی ثبوت اس طرح دے کہ ملک کے معاشی نظام کو سود اور سودی کاروبار سے پاک کرنے کی غرض سے ملک کے تمام بینکوں کو مضاربت کے اسلامی طریق پر مشترک سرمایہ سے چلنے والی تجارتی کمپنیوں کی صورت میں مارشل لا قانون کی طاقت سے یا کسی اور ایسے قانون کی طاقت سے جسے عدالت میں چیلنج نہ کیا جاسکے تبدیل کردے تاکہ کم از کم اندرون ملک میں ہونے والا تمام کاروبار سودی لین دین سے تو پاک اور بینکاری سسٹم کی گرفت سے آزاد ہوجائے۔

متبادل معاشی نظام

حکومت کا سودی لین دین اور سرمایہ کاری

یہ ظاہر ہے کہ حکومت اس اسلامی ملک کو سود کی لعنت اور اس کے سرچشموں یعنی بینکوں سے پاک کرنے کے لئے یہ دلیرانہ اور جرأت مندانہ قدم موثر طور پر اسی وقت اٹھا سکتی ہے جبکہ حکومت اپنے تمام محکموں اور شعبوں میں سے کم از کم اندرون ملک میں سود لینا اور دینا یک قلم ختم کردے اور اپنا تمام کاروبار حکومت کے خزانہ سے مضاربت یا شراکت کے اصول پر چلائے۔

واضح ہو کہ ہم چونکہ اب تک بینکاری کے لعنتی نظام کے بجائے اس کا متبادل معاشی ترقی اور خوشحالی کا ضامن، تجارتی نظام پیش کرنے کی کوشش کررہے ہیں اس لئے ہم نے تثمیر مال (مال کو بڑھانے) کی مضاربت کے علاوہ اور شرعاً جائز صورتیں پیش نہیں کی ہے کیونکہ بینک جن بنیادوں پر قائم ہوتے اور چلتے ہیں وہ دو ہی فریق ہیں ایک سود لینے کی غرض سے بینک میں روپیہ لگانے والے ڈائرکٹر اور جمع کرنے والے (ڈپازٹیر) میں ہیں دوسرے بینک سے سود پر روپیہ ادھار لے کر کاروبار کرنے والے تاجر اور صنعتکار ہیں اگر چہ بینک اور بھی متعدد طریقوں سے لوگوں کے سرمایہ یا منافع کا ناجائز استحصال کرتے ہیں مگر وہ تمام طریقے ضمنی ہیں ان دونوں میں سے پہلا فریق کاروبار کچھ نہیں کرتا صرف سرمایہ لگاتا ہے معاشیات کی اصطلاح میں اس کو "اصل دار" کہتے ہیں دوسرا فریق صرف کاروبار کرتا ہے، اپنا سرمایہ بالکل نہیں لگاتا معاشیات کی اصطلاح میں اس کو "عامل" کہتے ہیں۔

مضاربت کا عقد بھی شرعاً ایسے ہی دو فریقوں کے درمیان منعقد ہوتا ہے جن میں سے ایک کا سرمایہ (اصل) ہوتا ہے فقہ کی اصطلاح میں اس کو رب المال کہتے ہیں دوسرے فریق کا صرف عمل (کاروباری محنت) ہوتا ہے فقہ کی اصطلاح میں اس کو مضارب کہتے ہیں۔

شراکتی کاروبار کی مختلف صورتیں

اس لئے فوری طور پر بینکوں کو تو صرف مضاربت کے طور پر چلنے والی کمپنیوں میں ہی تبدیل کیا جاسکتا ہے لیکن بینکوں کے علاوہ سودی کاروبار کرنے والے افراد یا پارٹیاں اگر سرمایہ بھی لگائیں اور کاروبار میں بھی حصہ لیں اور سود لئے دیئے بغیر زیادہ سے زیادہ منفعت بخش شراکت میں کام کرنا چاہیں اسی طرح حکومت خود یا اجارہ پر حکومت کے خزانہ سے کاروبار کرنا چاہے تو اس شراکت کو شریعت کی اصطلاح میں ''شرکت'' کہتے ہیں اور فقہاء نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی چار صورتیں تجویز کی ہیں۔

① دونوں شریک چاہے ایک فرد ہو چاہے متعدد افراد سرمایہ بھی برابر برابر لگائیں اور کاروبار میں کام بھی برابر کریں اس شرکت کا نام فقہ میں شرکت مفاوضہ ہے اس شرکت میں دونوں فریق برابر کے شریک ہوتے ہیں معاشیات کی اصطلاح کے مطابق چونکہ اصل (سرمایہ) اور محنت (عمل) میں دونوں فریق برابر کے شریک ہیں اس لئے نفع نقصان میں بھی برابر کے شریک ہوں گے۔

② سرمایہ تو دونوں شریکوں (فریقوں) کا برابر نہ ہو بلکہ کم وبیش ہو لیکن محنت کاروبار دونوں مل کر کریں اس شرکت کو فقہ میں شرکت عنان کہتے ہیں نفع نقصان میں سرمایہ کی نسبت سے یا کاروباری مہارت کی نسبت سے جو طے پائے شریک ہوتے ہیں یہ شرکت سب سے آسان اور سہل الحصول ہے۔

③ سرمایہ دونوں شریکوں میں سے کسی کے پاس بھی نہ ہو مگر دونوں شریک کسی ایک کی یا چند ہنروں یا دستکاریوں میں ماہر ہوں اور بڑے پیمانہ پر کام کرنے کی غرض سے آپس میں شرکت کرلیں کہ دونوں مل کر گاہکوں سے اجرت پر کام حاصل کریں گے اور تیار کر کے دیں گے اور دکان کا خرچ نکال کر آمدنی آپس میں برابر کم وبیش جیسے طے پائے تقسیم کرلیا کریں گے مثلاً ایک درزی زنانہ لباس تراشنے اور سینے کا ماہر ہو اور دوسرا مردانہ لباس تراشنے اور سینے کا ماہر ہو اور دونوں مل کر ایک درزی خانہ بڑے پیمانہ پر قائم کریں جس میں زنانہ اور مردانہ ہر قسم کے لباس

تیار کئے جائیں۔

اس شرکت کا نام ''شرکت الصنائع'' ہے چھوٹی چھوٹی دستکاریوں، پیشوں اور حرفوں کو بڑے پیمانہ پر چلانے کے لئے یہ شرکت کی جاتی ہے خرچ نکالنے کے بعد آمدنی طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم کرلی جاتی ہے۔

④ دونوں شریک نہ کسی پیشہ حرفے یا ہنر کے ماہر ہوں نہ ہی ان کے پاس بڑے پیمانہ پر کام کرنے کے لئے سرمایہ ہو لیکن دونوں کی کاروباری ساکھ امانت ودیانت منڈی یا بازار میں ایسی قائم ہو کہ وہ بڑی مقدار میں تجارتی مال اپنی ساکھ اور اعتماد پر تھوک فروشوں سے لاکر بڑے پیمانہ پر جنرل مرچنٹس قسم کی دوکان (جنرل اسٹور) کھولیں اور دوکان کی آمدنی میں سے خرچ نکال کر منافعہ طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم کریں اس شرکت کا نام شرکت الوجوہ ہے ان میں سے ہر قسم کی شرکت کے مخصوص شرعی احکام اور شرائط ہیں جو فقہ کی کتابوں میں بسط وتفصیل اور دلائل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

معاشیات کی اصطلاح کے مطابق پہلی دونوں قسم کی شرکتوں میں ہر شریک کی جانب سے ہر دو عامل پیدائش دولت یعنی سرمایہ (اصل) اور محنت (عمل) موجود ہیں مگر تیسری قسم کی شرکت میں صرف محنت عامل پیدائش دولت ہے اور چوتھی قسم کی شرکت میں سرمایہ (اصل) کے بجائے کاروباری ساکھ یعنی امانت ودیانت کارفرما ہے جس کو عام اصول معاشیات میں تو عامل پیدائش دولت نہیں شمار کیا گیا مگر اسلامی معاشیات میں امانت ودیانت کو جس پر کاروباری ساکھ کا مدار ہے بڑی اہمیت حاصل ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اسلام نے سودی کاروبار کرنیکی تو اتنی شدت کے ساتھ مخالفت اور ممانعت فرمائی کہ جس لین دین کے معاملہ میں سود کا ذرا سا شائبہ بھی پایا گیا اس کو بھی ممنوع قرار دیدیا مگر توفیر مال (مال کو بڑھانے) کی اتنی حوصلہ افزائی فرمائی کہ اس کے راستے اتنی کثرت سے کھول دیئے کہ ہر شخص اپنی پس انداز کی ہوئی رقم (اصل) کو تھوڑی ہو یا

بہت کسی نہ کسی پیدا آوری یعنی منفعت بخش کاروبار میں لگا کر زیادہ سے زیادہ نفع کما سکتا ہے اور بڑھا سکتا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے اور یہی اسلامی معاشیات کی وہ خوبی ہے جس سے دنیا کی معاشیات محروم ہے کہ اسلام کے بتلائے ہوئے طریقوں کے ذریعہ سرمایہ کو بڑھانے جس کا ہر انسان فطری طور پر خواہشمند ہے کی صورت میں ملک کا سرمایہ (اصل) برابر پیدائش دولت کے طریقوں یعنی کسب معاش کے ذرائع تجارت' صنعت وغیرہ میں مشغول (لگا ہوا) رہتا ہے اور دست بدست گردش میں رہتا ہے اور کسی بھی مرحلہ پر اکتناز اور انجماد دولت نہیں ہو پاتا اور دولت (سرمایہ) کے چند ہاتھوں یا چند خاندانوں یا کسی مخصوص طبقہ میں سمٹ آنے اور جام ہو جانے کا امکان باقی نہیں رہتا اور قومی معیشت سرمایہ کی اس گردش کی وجہ سے برابر ترقی کرتی رہتی ہے اور ملک کی خوش حالی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لئے کہ پیدائش دولت کا عمل برابر جاری رہتا ہے۔ بے کاری اور بیروزگاری کے عام ہونے اور ملک گیر فقر و افلاس کے پھیلنے کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔

اس کے برعکس سود اور سودی کاروبار کا فروغ اور معاشی تسلط نتیجہ کے اعتبار سے قطعی طور پر ملک کے تمام سرمایہ کے مٹھی بھر سود خواروں مہاجنوں اور ساہوکاروں کے ہاتھوں میں سمٹ آنے اور ہوس زر اندوزی کی بناء پر جام ہو جانے کا سبب بنتا ہے پیدائش دولت کا عمل اور دائرہ محدود سے محدود تر ہوتا جاتا ہے عام بے روزگاری پھیلتی جاتی ہے اور ملک گیر معاشی بحران رونما ہو جاتا ہے افلاس زدہ اور فاقہ کش عوام مرتا کیا نہ کرتا کے اصول پر ان سود خوار سرمایہ داروں کے دشمن اور خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں اور ملک کا امن وامان تباہ و برباد ہو جاتا ہے جس کا مشاہدہ اب سے چند ماہ پہلے ہم کر چکے ہیں۔

حکومت کے چند اہم سودی کاروبار

پراویڈنٹ فنڈ

حکومت تمام سرکاری ملازمین ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ کی تنخواہوں میں سے تنخواہ کی شرح کی نسبت سے فیصد کچھ حصہ کاٹتی ہے اور اسٹیٹ بینک میں سود پر جمع کر دیتی ہے پوری مدت ملازمت جو عموماً بیس پچیس سال ہوتی ہے میں جمع شدہ سود کی پوری رقم میں سے اتنا حصہ جو تنخواہ کے کٹے ہوئے حصہ کے مساوی ہوتا ہے ملا کر ملازمین کو دیدیتی ہے باقی سود کا حصہ خود رکھتی ہے یا بینک کے دوزخ' تجوری میں جاتا ہے خود بھی حرام خوری کی لعنت میں گرفتار ہوتی ہے اور ملازمین کی حلال کمائی میں سود ملا کر اس کو بھی حرام بنا دیتی ہے۔

اس کے بجائے اگر حکومت تمام ملازمین کی اس پوری رقم کو جو ہر ماہ ہزاروں روپے بنتی ہے خود حکومت مضاربت کے طور پر اپنے کسی صنعتی یا تجارتی کاروبار مثلاً ڈاک' ریلوے' ٹرانسپورٹ وغیرہ میں لگاتی رہے اور ملازمت ختم ہونے پر اس ملازم کی جمع شدہ رقم سے جو اس مدت میں تجارتی منافعہ ہوا ہے اس میں سے نصف یا کم وبیش خود مضارب (عامل) کی حیثیت سے لے لے اور نصف یا کم وبیش ملازم کو رب المال کی حیثیت سے اسکی اصل رقم کے ساتھ دیدے تو یہ لینا اور دینا دونوں مضاربت کے تحت شرعاً جائز اور حلال ہوں خود بھی حرام خوری سے بچ جائے اور ملازم کی روزی بھی حرام نہ ہو اور ہمیں یقین ہے کہ اس تجارتی نفع کی مقدار دونوں کے حصہ میں سود کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوگی یہی مطلب ہے آیت کریمہ ذیل کا:

﴿یمحق الله الربوا و یربی الصدقات﴾ [البقرة:۲۷۶]

ترجمہ: اللہ سود کو مٹاتا ہے اور (کار خیر میں صرف کئے ہوئے) صدقوں کو بڑھاتا ہے (دو چند سہ چند کرتا ہے)۔

زرعی ترقیاتی بینک صنعتی ترقیاتی بینک

ہاؤس فائنانس کارپوریشن کوآپریٹو بینک

حکومت زراعت یا صنعت کو ترقی دینے کے عنوان سے' کسانوں یا صنعت کاروں کو' نیز مکانات تعمیر کرنے والوں کو جو سرمایہ سود پر قرض دیتی ہے اور پھر بیرونی ملکوں سے درآمد کردہ بھاری صنعتی مشنری یا کھاد اور بیج وغیرہ ان کے ہاتھ بالاقساط ادھار فروخت کرتی ہے اور ان سے سود لیتی رہتی ہے اسی طرح امداد باہمی کے طور پر روپیہ قرض دیتی اور سود لیتی ہے حالانکہ ملک میں زیادہ سے زیادہ زراعت اور صنعت کو ترقی دینا رہائش کے لئے مکانات مہیا کرنا خود حکومت کا فرض ہے' عذر یہ کیا جاتا ہے کہ حکومت خود یہ سرمایہ اور مشنری' کھاد' بیج وغیرہ بیرونی ممالک سے سود پر حاصل کرتی ہے اگر ایسا ہی ہے تو حکومت خود کسانوں یا صنعت کاروں کے ساتھ مل کر مضاربت کے طور پر یا شرکت کی مذکورہ بالا قسموں میں سے جو بھی حالات کے مطابق ہو اس شرکت کے طور پر کاروبار کرے اور اس کاروبار کا اتنا قلیل منافعہ جس سے بیرونی ممالک کے قرضہ کا سود اور قسط ادا ہو خود لے لے اور باقی منافعہ کسانوں یا صنعت کاروں کو دیدے وہ اس سے حکومتی قرضے یا سامان کی قیمت کی اقساط ادا کریں تو اس صورت میں اندرون ملک سے سود کی لعنت بھی ختم ہو جائے گی اور جائز و حلال طریق پر کی جانے والی زراعت اور صنعت کو بھی حکومت کے اس تعاون باہمی سے دن دوگنی رات چوگنی ترقی نصیب ہوگی باقی شخصی رہائش کے لئے مکانات تعمیر کرنے کی غرض سے یا دوسرے غیر پیدا آور مقاصد کے لئے امداد باہمی کے عنوان سے روپیہ قرض دینا اور اس پر سود لینا تو اسلامی حکومت کے لئے انتہائی شرمناک ہے۔

حکومت کے ترقیاتی منصوبے

ظاہر ہے کہ حکومت کے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے لئے گراں قدر سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور عموماً ان کا بڑا حصہ نقد یا بصورت سامان مشنری وغیرہ دوسرے ملکوں کی حکومتوں سے ان کے بینکوں کے ذریعہ سود پر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے اس لئے ان کو تو قرض ادا ہونے تک سود

دینا ناگزیر ہے لیکن اس سرمایہ یا سامان سے مجوزہ منصوبہ کے ترقیاتی کام بہرحال حکومت ملک کے افراد یا پارٹیوں سے ہی کراتی ہے ان کو یہ سرمایہ یا سامان سود پر قرض دینے اور سود لینے کے بجائے یہ کام ان سے مضاربت کے طور پر کرائے جائیں یعنی حکومت اور کام کرنے والی کمپنیاں یا پارٹیاں مضاربت کے دو فریق ہوں حکومت رب المال (اصل دار) اور وہ کمپنیاں یا پارٹیاں مضارب (عامل) اور اس کاروبار سے جو مقسوم منافعہ حاصل ہوتا رہے وہ طے شدہ شرح کے مطابق سال بسال دونوں فریق کے درمیان تقسیم ہوتا رہے اس تبدیلی سے سود کی لعنت سے بچنے کے علاوہ بڑا اہم فائدہ یہ ہوگا کہ حکومت بآسانی اور بہت جلد قرضوں کو ادا کرسکے گی اس لئے کہ اس سرمایہ پر ترقیاتی کام کرنے والی پارٹیوں یا کمپنیوں سے جو سود ملتا اس کی بہ نسبت وہ مقسوم منافعہ جواب حکومت کو رب المال (اصل دار) ہونے کی حیثیت سے ملے گا وہ یقیناً بہت زیادہ ہوگا دوسری طرف وہ ترقیاتی کام کرنے والی پارٹیاں یا کمپنیاں جب یہ محسوس کریں گی کہ اگر اس کام میں منافعہ نہ ہوا تو ہماری ساری محنت و مشقت اکارت جائے گی اور ہمیں ایک پیسہ بھی نہ ملے گا تو وہ انتہائی محنت سرگرمی اور مکمل نگرانی کے ساتھ کام کریں گی اور اپنی امکانی قوت اور توانائی اس کام کو زیادہ سے زیادہ منفعت بخش بنانے میں صرف کریں گی۔

اور اگر کسی بھی وجہ سے یہ صورت قابل عمل نہ ہو تو پھر اجارہ پر یہ کام کرائے یعنی کام کرنے والی کمپنیوں اور پارٹیوں کو سالانہ کام کی مقدار اور اس کی اجرت متعین کر کے ٹھیکہ پر دیدے۔

بہرصورت سود کا لینا اور دینا کوئی ایسی ناگزیر چیز نہیں ہے جس سے مفر نہ ہو اگر حکومت واقعی مسلمان ہو جائے اور دل سے سودی کاروبار یک قلم ترک کردینے کا مصمم عزم کرلے تو ملک کی معاشی ترقی میں ذرہ برابر رخنہ اندازی کے بغیر کم از کم اندرون ملک میں تو تمام کاروبار سود کی لعنت سے پاک ہوسکتا ہے۔

حکومت کے سودی قرضے

حکومتیں جو وقتاً فوقتاً قوم سے سود پر قرضے لیتی ہیں معاشیات کی اصطلاح کے اعتبار

سے یہ قرضے دو قسم کے ہوتے ہیں ۱-ایک پیدا آور قرضے ۲-دوسرے غیر پیدا آور قرضے۔

پیدا آور قرضے

حکومت ملکی مصالح کے پیش نظر جو ملک گیر پیمانہ پر تجارتی، صنعتی یا مواصلاتی کاروبار کرنا چاہتی ہے بسا اوقات سرکاری خزانہ بیت المال اس کے لئے مطلوب سرمایہ فراہم نہیں کر سکتا تو حکومت اس کے لئے سرمایہ مقرر کردہ شرح سود پر اہل ملک سے قرض لیتی ہے ان قرضوں کی ادائیگی کی مدت قریب یا بعید متعین ہوتی ہے۔

اس صورت میں خود حکومت سود دیتی ہے اور قرض خواہ سود لیتے ہیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کی حدیث:

"عن جابر قال لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء". [1]

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور اس کی دستاویز) لکھنے والے اور گواہوں پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا ہے یہ سب (حرام خوری میں) برابر ہیں۔

کے تحت دونوں فریق یکساں لعنت میں گرفتار ہوتے ہیں اعاذنا اللہ منہ

اس لعنت سے بچنے اور نجات حاصل کرنے کا متبادل طریق کار یہ ہے کہ حکومت اس تجارتی یا صنعتی یا مواصلاتی کاروبار کا پورا منصوبہ اور اس پر اخراجات کا تخمینہ ماہرین سے لگوا کر شائع کرے اور مطلوبہ سرمایہ کے حصے (شیرز) تجویز کر کے اس کاروبار میں شرکت کی اہل ملک کو دعوت دے جو لوگ سرمایہ میں شرکت کرنا چاہیں وہ حسب استطاعت حصص خریدیں اور جو ماہرین صرف کام میں یعنی محنت میں شرکت کرنا چاہیں ان کو مضاربت کے طریق پر عمل میں شریک کرے اور جو لوگ سرمایہ اور عمل دونوں میں شرکت کرنا چاہیں ان کو دونوں میں شریک کرے فقہی اصطلاح کے مطابق یہ شرکت شرکت عناں ہوگی حکومت سال بسال مقسوم منافعہ سرمایہ یا عمل یا دونوں کی

[1] صحیح مسلم: ۲۷/ ۲، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربوا، ط: قدیمی کراچی۔

نسبت سے طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم کرتی رہے۔

معاشی نقطۂ نظر سے بھی یہ صورت ملک کی اقتصادی ترقی اور معاشی خوشحالی کے لئے بیحد مفید اور بے روزگاری کو ختم کرنے میں ممد ومعاون ہوگی اور سب سے بڑا معاشی فائدہ یہ ہوگا کہ ملک کا سرمایہ برابر گردش میں رہے گا جام نہ ہونے پائے گا۔

ضرورت اہل ملک کو اعتماد میں لینے کی ہے اس کے بعد نہ صرف سودی قرضوں کی بہ نسبت بہت زیادہ سرمایہ بلکہ با مہارت محنت اور فنی مہارت بھی حکومت کو بآسانی میسر آسکے گی، رشوت دینے اور لینے کے راستے بھی بڑی حد تک مسدود ہو جائیں گے۔

معاشیات کی اصطلاح کے مطابق اس قسم کے کاروبار میں عوامل پیدائش دولت تین ہوتے ہیں:

① ایک سرمایہ (اصل) ② دوسرے محنت ③ تیسرے تنظیم

سود پر قرض سرمایہ حاصل کرنے کی صورت میں حکومت کو صرف ایک عامل پیدائش یعنی سرمایہ حاصل ہوتا ہے اس سرمایہ کے مہیا کرنے والے افراد کو ظاہر ہے کہ کاروبار کے نفع نقصان سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اس لئے کہ کاروبار میں چاہے نفع ہو چاہے نقصان ان کو طے شدہ شرح پر سود ملے گا اسی سے انہیں دل چسپی ہوتی ہے اس کے برعکس شرکت کی صورت میں حکومت کو دو عامل پیدائش یعنی سرمایہ (اصل) اور محنت میسر آتے ہیں ظاہر ہے کہ حکومت قرض لے کر کاروبار کرنے کی صورت میں لامحالہ "محنت" کو یا اجرت پر حاصل کرے گی یا اجارہ یعنی ٹھیکہ پر دونوں صورتوں میں کاروبار کے نفع نقصان سے ان کو کوئی دلچسپی نہ ہوگی وہ اپنی اجرت یا اجارہ ٹھیکہ کی حد تک کام کریں گے۔

اس کے برعکس شرکت کی صورت میں چونکہ وہ بھی کاروبار کے مقسوم منافعہ کے حصہ دار ہوں گے اس لئے اپنی پوری توانائی کاروبار کو زیادہ سے زیادہ بار آور اور منفعت بخش بنانے میں صرف کر دیں گے تا کہ زیادہ سے زیادہ منافعہ حاصل کر سکیں۔

غیر پیدا آور قرضے

حکومت اس قسم کے قرضے ملک اور قوم کی ان ہنگامی ضروریات کو پورا کرنے اور ناگہانی حادثات کا تدارک کرنے کے لئے بھی لیتی ہے جن سے حکومت کو آمدنی مطلق نہیں ہوتی خرچ ہی خرچ ہوتا ہے مثلاً طوفانی' سیلابوں سے تباہ شدہ بستیوں کی آبادکاری شاہراہوں اور پلوں وغیرہ کی مرمت اور اس کے علاوہ ملک گیر قومی وملکی ضروریات۔

اگر حکومت کے خزانہ میں ان ہنگامی اخراجات کے لئے سرمایہ نہ ہو تو سود پر قرض لینے کے بجائے ملک کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کے فاضل سرمایوں پر جن کا حکومت کو علم ہوتا ہے ہنگامی ٹیکس ایسے طریقہ پر لگا کر کہ وہ اس ٹیکس کا بار گرانی کی شکل میں عام صارفین پر نہ ڈال سکیں ان اخراجات کے لئے سرمایہ حاصل کر سکتی ہے اس لئے کہ ملک کی معاشی فلاح وخوشحالی کی منفعت عوام کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ یہی سرمایہ دار طبقہ حاصل کرتا ہے عوام کو تو زیادہ سے زیادہ ضروریات زندگی اور ضروریات کارکردگی میں ہی فراخی میسر آتی ہے سرمایہ دار طبقے کے اصل (فاضل سرمایہ) میں چند در چند اضافے ہوتے ہیں اس لئے ان اخراجات کا بار بھی انہی پر ڈالنا قرین عدل وانصاف ہے۔

ملک کا سب بڑا سودی لین دین کرنے والا ساہوکار

کہتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ سب سے بڑا سودی لین دین اور سودی کاروبار کرنے والا مہاجن خود حکومت ہے کہ وہ سود کے بغیر نہ کسی کو کوئی پیسہ دیتی ہے نہ لیتی ہے حکومت کو ہر قسم کی رقومات ادا کرنے کا طریقہ بھی یہ ہے کہ رقم اسٹیٹ بینک میں یا حکومت کے نامزد کردہ بینکوں میں جمع کی جائے اور بینک سے چالان لا کر متعلقہ محکمہ میں داخل کیا جائے حتی کہ حج جیسی مقدس عبادت کی درخواست کے ساتھ سفر حج کے مصارف کی رقومات بھی بینکوں میں جمع کی جاتی ہیں اسی طرح جو حکومت کے ذمہ واجب الاداء رقومات حکومت سے لی جاتی ہیں ان کے بل بھی متعلقہ محکمہ سے پاس کرا کے اسٹیٹ بینک سے وصول کی جاتی ہیں حتی کہ سرکاری ونیم سرکاری

دفتروں کے ملازمین کی تنخواہیں' تعلیمی اور رفاہی اداروں کی امدادی رقومات (ایڈ) بھی متعلقہ دفتروں اور اداروں کے بجائے بینک سے وصول کی جاتی ہیں اور بینک تو ظاہر ہے کہ ہر اس رقم پر جو اس کو دی جائے یا اس سے لی جائے سود کے بغیر نہ دیتا ہے نہ لیتا ہے۔

اسی پر بس نہیں بلکہ حکومت تو ملک کے دوسالہ اور سہ سالہ ترقیاتی منصوبوں کے لئے گرانقدر رقومات فراہم کرنے کی غرض سے علانیہ طور پر اخبارات میں ترغیب وتحریص کے نو بہ نو انداز اختیار کر کے غیر معمولی شرح سود پر مختلف المیعاد قرضے قوم سے حاصل کرتی رہتی ہے غرض خود حکومت نے قوم کو سود خوری یعنی حرام خوری کا ایسا عادی بنا دیا ہے کہ وہ اپنے پس انداز کئے ہوئے ہر پیسہ کو سود کی طمع اور لالچ میں حکومت کے بونڈز خریدنے یا بینکوں میں جمع کرنے کے سوا شغل اصل پس انداز سرمایہ کو کاروبار میں لگانے کے کسی اور جائز وحلال طریقے سے واقف ہی نہیں رہی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والے ملک کا آزادی کے بائیس سال گذر جانے کے باوجود نہ صرف معاشی اور مالی نظام خالص سرمایہ دارانہ ہے بلکہ آج تک اس برائے نام اسلامی ملک میں جتنی حکومتیں برسر اقتدار آئی ہیں ان کا پورا نظام حکومت سو فیصد سرمایہ دارانہ رہا ہے اور سرمایہ دارانہ معاشی ومالی نظام کا سنگ بنیاد سرمایہ داری اور سرمایہ کاری ہوتا ہے جس کا بینکاری سسٹم اور سود کے بغیر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اس لئے نہ صرف ملک کا تمام معاشی کاروبار تجارت ہو یا صنعت یا زراعت سود پر چل رہا ہے بلکہ حکومت کا سارا کا سارا مالی نظام سودی لین دین پر قائم ہے اور بینکاری سسٹم کی بدولت سودی کاروبار کا اتنا زبردست تسلط ہے کہ کوئی خدا ترس کاروباری سود لئے دیئے بغیر کاروبار کرے بھی تو نہیں پنپ سکتا اسی طرح کوئی خدا ترس ملازم پیشہ کسی بھی محکمہ میں کوئی ایسی ملازمت کرنی چاہے جس میں بینک کی وساطت کے بغیر تنخواہ مل سکے تو وہ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا اس لئے درحقیقت ملک اور اس کی معیشت' اس سرمایہ دارانہ معاشی نظام اور سود کی لعنت سے اسلام کا معاشی' مالی اور سیاسی نظام اختیار کئے بغیر پاک ہو ہی نہیں سکتی۔ [یاد رہے مضمون ۱۳۷۹ھ میں لکھا گیا ہے]

لیکن اسلامی معاشی، مالی اور سیاسی نظام کو موجودہ ملک گیر سرمایہ دارانہ اور استعماری نظام کی جگہ لانا، نافذ کرنا اور صحیح معنی میں اسلامی حکومت قائم کرنا انتہائی کٹھن، بیحد دشوار اور دیر آئند کام ہے اگر آج ہی سے حکومت اور قوم دونوں مل کر بھی اس مقصد کے لئے دل وجان سے جد وجہد اور سرتوڑ کوشش کریں تب بھی ملکی اور قومی زندگی کے ہر شعبہ میں موجودہ غیر اسلامی اور سامراجی نظام کے بجائے اسلامی نظام کو نافذ کرنے کے لئے کم از کم پچاس سال چاہئیں۔

اس لئے کہ پاکستان میں آباد مسلمانوں کے موجودہ تمام طبقے تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ، کاروباری ہوں غیر کاروباری، سیاست دان ہوں یا غیر سیاست دان، حکمران ہوں یا محکوم، فوجی ہوں یا سول، غرض پوری موجودہ نسل وہ ہیں جنہوں نے انگریزوں کی غلامی اور محکومی کے ڈیڑھ سو سال منحوس دور میں آنکھ کھولی اور انہی کی زیر تعلیم وتربیت ان کے ذہن وفکر نے نشوونما پائی، زندگی کے ہر شعبہ میں انہوں نے جو کچھ جانا اور سیکھا بلاواسطہ یا بالواسطہ انگریزوں اور یورپین قوموں سے جانا اور سیکھا ہے حکمرانوں نے ملک پر حکومت کرنے کے طور طریقے اپنے حکمران انگریزوں سے سیکھے سول سکٹریٹ کے افسران نے دفتروں اور حکومتی اداروں میں کام کرنے کے انداز اپنے افسر انگریزوں سے سیکھے، ججوں اور عدلیہ کے حاکموں نے فوجداری اور دیوانی عدالتوں میں مقدمات کے فیصلے کرنے کے طور طریقے اور بیرسٹروں، وکیلوں نے مقدمات کی پیروی کرنے کے طریقے اور قانون کی تعلیم بالواسطہ یا بالواسطہ انگریز اساتذہ اور یورپین مصنفین کی کتابوں سے حاصل کی ہے۔ علی ہذا کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تمام عمرانی علوم وفنون، سائنس فلسفہ، معاشیات، سیاسیات، تجارت، صنعت وحرفت وغیرہ کی تعلیم دینے والے پروفیسروں اور اساتذہ نے ان تمام علوم وفنون کی تعلیم بالواسطہ یورپین مصنفین عیسائیوں اور یہودیوں کی تصانیف سے اور بلاواسطہ انگریزوں اور یورپین استاذوں سے حاصل کی ہے اسی طرح ملک کے تاجروں اور بیوپاریوں نے ملکی اور غیر ملکی تجارت اور درآمد وبرآمد کے طور طریقے، تھوڑے سے سرمایہ سے یا بغیر سرمایہ کے بڑے پیمانے پر کاروبار کرنے اور اس کو فروغ دینے کے ہتھکنڈے صنعت کاروں کارخانہ داروں ملوں اور فیکٹریوں کے مالکوں نے ہر قسم کی صنعت خصوصاً بڑی اور بھاری صنعتوں کو عہد حاضر کے

معیار پر قائم کرنے اور ترقی دینے کے طور طریقے غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک خواہ شخصی اور انفرادی ہو خواہ قومی اور اجتماعی پاکستانی قوم بھی اور حکومت بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر انگریزوں اور امریکیوں وغیرہ کٹر سامراجی قوموں کی سرتا سر تقلید کر رہی ہے یوں کہنے کو تو ہم ایک آزاد قوم ہیں مگر ہمارا ذہن وفکر معیشت ومعاشرت اور اس کے نتیجہ میں اخلاق وکردار یورپ کی سامراجی قوموں کا خالص غلام ہے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کے ہر منصوبہ میں ہم انہی کی رہنمائی کی طرف دوڑتے ہیں اور انہی کے بتلائے ہوئے طریقوں پر آنکھیں میچ کر چلے جارہے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ ان یورپین سامراجی قوموں کا نظام معیشت ومعاشرت خالص سرمایہ دارانہ ہے اس لئے آزادی کے بیس بائیس سال گذر جانے کے باوجود ہمارا ابھی نظام معیشت ومعاشرت خالص سرمایہ دارانہ ہے جس کا سنگ بنیاد سودی کاروبار اور بینکنگ سسٹم ہے اس لئے ہماری حکومت کا تمام کاروبار بھی سود پر چل رہا ہے وہ سود لیتی بھی ہے اور دیتی بھی ہے اسی لئے فی الحقیقت سب سے بڑا مہاجن اور سود خوار پاکستان کی حکومت ہے۔

نظام حکومت کی تبدیلی کے دیر آئند ہونے کی وجہ

ظاہر ہے کہ جس نسل کے ذہن وفکر اور اخلاق وکردار کو انگریزوں نے ڈیڑھ سو سال کے اندر علمی وعملی تعلیم وتربیت کے ذریعہ تدریجی طور پر سرمایہ دارانہ نظام حکومت اور نظام معیشت ومعاشرت کے سانچہ میں ڈھالا اور ٹرینڈ (Traned) کیا ہے یعنی انگریز بنایا ہے اس کو تبدیل کرنے اور ملکی ومالی اسلامی نظام حکومت، اسلامی معاشی واقتصادی نظام، اسلامی نظام فصل خصومات (عدالتی نظام) وغیرہ سے اس نئی نسل کو علماء نے عملاً واقف کرنے یعنی حقیقی معنی میں مسلمان بنانے اور تدریجی طور پر اس کو نافذ وقائم کرنے کے لئے کم از کم پچاس سال تو چاہئیں۔

''اسلامی حکومت'' اسلامی معاشی نظام اور اسلامی ملکی ومالی قوانین کے نافذ کرنے کے تمام نعرے سب انتخابی نعرے ہیں جو الیکشن میں زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل کرنے اور اپنی پارٹی کی حکومت قائم کرنے کے لئے لگائے جارہے ہیں عملی اعتبار سے ان کی کچھ حقیقت نہیں اس

لئے کہ مان لیجئے کہ کوئی بھی ایسے نعرے لگانے والی پارٹی برسراقتدار آجاتی ہے اور اپنی حکومت قائم کرلیتی ہے تو وہ کہاں سے لائے گی موجودہ زمانے کے تقاضہ کے مطابق قانونی شکل میں مدون شدہ اسلام کے ملکی، مالی اور عدالتی قوانین، اسلام کا اقتصادی ومعاشی نظام، زراعت، تجارت اور صنعت سے متعلق مدون شدہ شرعی احکام، جن کو فوری طور پر ملک میں نافذ کرسکے اور کہاں سے لائے گی ان اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کی اہلیت رکھنے والے سول سکرٹریٹ کے افسران، عدالتوں کے جج اور حکام جو ان اسلامی قوانین کو نافذ کرسکیں اور کہاں سے لائے گی وہ کاروباری لوگ ملکی اور غیر ملکی تجارت کرنے والے صنعت کار، کاشتکار اور زمیندار جو اسلام کے معاشی نظام کے مطابق ملک کی زراعت، تجارت اور صنعت کو اسلامی معاشی نظام کے سانچے میں ڈھال سکیں اور فروغ دے سکیں یہی ملکی زندگی کے تمام شعبوں کا حال ہے۔

لامحالہ یہ پارٹی برسراقتدار آنے کے بعد اسلامی حکومت اور اسلامی معاشی نظام کے نام سے اسی سرمایہ دارانہ استعماری نظام اور اس کے رجال کار کو برقرار رکھنے پر مجبور ہوگی اور ملک کی حکومت اور تمام کاروبار اسی سرمایہ دارانہ اور استعماری نظام کے تحت چلتا رہے گا اور آئے دن حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ، طبقاتی کش مکش اور معاشی بحران کا شکار ہوتا رہے گا۔

صحیح معنی میں اسلامی حکومت قائم ہونے کی تدبیر

اس لئے یہ تمام تبدیلیاں تدریجی طور پر لائی جاسکتی ہیں ان کے لئے سب سے پہلے تو علماء کا فرض ہے کہ وہ قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی تعلیمات کی روشنی میں انسانی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں پر محیط مکمل اسلامی قانون اور عصری علوم خصوصاً معاشیات موجودہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق مدون کریں اور اس کے بعد اگر برسراقتدار حکومت کسی بھی پارٹی کی ہو۔ واقعی مسلمان ہو اور درحقیقت ان کے اور ملک وقوم کے تمام طبقات کے دلوں میں خدا کا ڈر، آخرت کا خوف اور ہر طرح کے معاشی بحران سے محفوظ و مامون اور ترقی کا ضامن سیاسی اور معاشی نظام قائم کرنے کا جذبۂ صادق کارفرما ہو اور حکومت اور قوم کے تمام طبقے اپنے اپنے دائرہ اور حلقہ میں تدریجی طور پر اپنی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں کو اسلامی احکام وقوانین

کے مطابق بنانا چاہیں تب جاکر رفتہ رفتہ پاکستان میں صحیح معنی میں اسلامی حکومت قائم ہوسکتی ہے۔

اگر ایسا نہ ہو!

لیکن اگر یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوتا اور ایسی حکومت قائم نہیں ہوتی تب بھی دین اسلام میں اتنی لچک اور ایسی سہولتیں اور آسانیاں رکھی ہوئی ہیں اور یہی اس دین کے دین فطرت ہونے کی دلیل ہے اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿جعل علیکم فی الدین من حرج﴾[1] اللہ کے دین میں مطلق تنگی نہیں ہے۔ کہ ملک اور قوم کا ہر وہ دیندار اور خدا پرست طبقہ جس کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی پکڑ کا ڈر کارفرما ہے وہ حکومت سے بے نیاز ہوکر بھی اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اور معاشی کاروبار کو زراعت ہو یا تجارت یا صنعت اسلامی احکام کے مطابق جاری رکھ سکتا ہے جیسا کہ ہم اس مضمون میں بار بار اس کی وضاحت کرچکے ہیں اور یہی اس خامہ فرسائی اور سمع خراشی کا واحد مقصد ہے کہ دیندار طبقے حکومت کے ملکی اور مالی نظام کی پروا کئے بغیر باہمی تعاون اور رضامندی سے شریعت کے احکام کے مطابق ہر قسم کے بینکوں اور سودی کاروبار کو مضاربت یا شرکت کے اصول پر، خصوصاً شرکت عنان، شرکت صنائع اور شرکت وجوہ جن کی تعریف وتفصیل آپ سطور بالا میں پڑھ چکے ہیں بآسانی جائز اسلامی کاروبار کی شکل میں تبدیل کرسکتے ہیں اور ہر قسم کا تجارتی، صنعتی اور زراعتی کاروبار، چھوٹے پیمانہ پر بھی اور بڑے پیمانہ پر بھی بخوبی جاری رکھ سکتے ہیں۔ آجر واجیر، کارخانہ دار اور مزدور کے باہمی نزاع اور کش مکش کو اجارہ کے شرعی احکام کے تحت بہ آسانی ختم کیا جاسکتا ہے زمیندار و کاشتکار بھی اپنے باہمی معاملات کو عدل وانصاف پر مبنی اسلامی احکام زراعت کے تحت کسی دوسرے کی مداخلت کے بغیر باہمی رضامندی اور تعاون کے مخلصانہ جذبہ سے طے کرسکتے ہیں اور موجودہ معاشی بحران کی تباہ کاریوں سے ملک اور قوم کو بچا سکتے ہیں۔ اللہ ولی التوفیق صدق دل سے پڑھا کیجئے۔

حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر

---

[1] الحج: ۷۸

دورِ حاضر کے فتنے

اور اُن کا علاج

از قلم

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری

جمع و ترتیب: محمد انور بدخشانی

مکتبہ بینات

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

عقیدۂ نزولِ مسیح علیہ السلام

قرآن وحدیث اور اجماعِ اُمت کی روشنی میں

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری

مکتبہ بینات

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

ماہنامہ بینات کراچی میں دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن

کے شائع شدہ فتاویٰ اور فقہی مقالات کا وقیع علمی ذخیرہ

فتاویٰ بیّنات

ترتیب و تخریج

مجلس دعوت و تحقیق اسلامی

جلد چہارم

المعاملات

الحظر والاباحۃ — الفرائض والمیراث

الصید والذبائح والاضحیۃ

مکتبہ بینات

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان